

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226106

UNIVERSAL
LIBRARY

الْمَلِكُ وَالْحَكِيمُ

تصنيف لامة مصرى محمدي

جس کو

حسب الارشاد نواب محسن الملک بہادر معوی
رشید احمد صاحب انصاری آنرزاں پشین لنگوچ لٹریچر
آنرزاں عربک لنگوچ لٹریچر اینڈ لائٹرم ترجمہ تحریر المرأة و
رسالہ التوحید وغیرہ سابق سب ایڈیٹر علیگڈہ انسٹیٹیوٹ
حال مدرس عربی و دینیات مدرسہ علوم علیگڈہ نے مسلمانان
ہندوستان کے فائدے کی غرض سے اردو میں ترجمہ کیا

باہتمام خاک رسعید احمد

مطبع محمد علی گڈہ مطبعہ مولیٰ

فہرست مضامین کتاب

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	الافسان۔	۱
۲	تکالیف الحیات۔	۱۱
۳	الدین والعلم۔	۲۴
۴	بابو الاسلام در اسلام کیا چیز ہے۔	۳۱
۵	بابو الدین (دین کیا چیز ہے)۔	۳۹
۶	الناموس الاعظم للہذیۃ (تمدن کا اصل اصول)۔	۴۴
۷	آزادی حاصل کرنے کے لئے انسانی جہاد۔	۴۹
۸	نفس کی آزادی۔	۵۳
۹	عقل کی آزادی۔	۶۱
۱۰	علمی آزادی۔	۶۵
۱۱	ذاتی ضرورت۔	۷۱
۱۲	نفسانی ضروریات۔	۷۳
۱۳	نفس کو اوہام کے زنگے صاف کرنا۔	۷۵
۱۴	نفس کو علم و فضل کے ساتھ آراستہ کرنا۔	۷۷
۱۵	نفس کو اخلاق حمیدہ سے آراستہ کرنا۔	۸۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۶	تصحیح الاعتقاد (اعتقاد کی درستی)	۹۰
۱۷	جسمانی ضرورتیں۔	۹۹
۱۸	حفظانِ صحت	۹۹
۱۹	جسمانی امور میں اعتدال	۱۰۳
۲۰	خاندانی منسلکات	۱۰۵
۲۱	پہلا فرض (خاندان کی ادبی اصلاح)	۱۰۶
۲۲	دوسرا فرض (خاندان کی مادی اصلاح)	۱۰۸
۲۳	مقامِ الجہد وال عمل فی نظر الاسلام (محنت اور کوشش کا مرتبہ اسلام کی نظر میں)	۱۱۱
۲۴	تمدنی منسلکات	۱۲۰
۲۵	مسلمانوں کے فرائض ایک دوسرے کے ساتھ	۱۲۲
۲۶	الرق فی الاسلام (اسلام میں غلامی)	۱۲۷
۲۷	حقوق الذمیین (زمینوں کے حقوق)	۱۳۵
۲۸	واجبات المسلمین لمعاہدہ ہم (معاہدوں کی نسبت مسلمانوں کے فرائض)	۱۵۰
۲۹	واجبات المسلمین لمجاہدہ ہم (اہل جہاد کی نسبت مسلمانوں کے فرائض)	۱۵۲
۳۰	نظرۃ علی الاسلام والمسلمین (اسلام اور مسلمانوں پر ایک سرسری نظر)	۱۵۹

دیباچہ

مفت زوہ علیہ النجائب اب محسن الملک بھادر

جب سے اہل مصر کو اپنے خیالات کے اظہار میں روک ٹوک باقی نہیں رہی اور مطبع کو آزادی حاصل ہوئی ہے اور مذہبی اور تمدنی مسائل کی نسبت آزادانہ تحریر و تقریر کرنا عیسائی کے دُڑوں اور طوق و سلاسل میں جکڑے جانے کا خوف نہیں رہا، ہم دیکھتے ہیں کہ مصر کے مسلمان تقلید کی تباہی کی سہل رہے ہیں اور عالمانہ و حکیمانہ تحقیق کی روشنی انہیں پہنچتی جاتی ہے۔ اور ایسے عالی دماغ اور روشن خیال محقق مسلمان پیدا ہو گئے ہیں جن کی تالیفات اور تصنیفات سے وہ پڑے جو اسلام پر پڑے ہوئے تھے اُٹھتے جاتے ہیں اور اسکا اصلی نورانی چہرہ نظر آنے لگا ہے مفتی محمد عبدہ جیسا حکیم اپنی حکیمانہ اور محققانہ تحریر و تفسیر سے اسلام کو زندہ کر رہا ہے، سید محمد رشید آفندی صاحب المنار فلسفیانہ اور عالمانہ مضامین لکھ کر اسلام اور فطرۃ، دین اور عقل کے اتحاد کو ثابت کر رہا ہے، اور یورپ کے مؤرخوں اور مصنفوں نے نادانی یا تعصب کے اسلام کے پاکیزہ مسائل کو بدنام شکل میں دکھلایا تھا ان کی غلطیاں اب دنیا پر کھولتے جاتے ہیں۔ ان جدید تصنیفات میں ایک کتاب رسالۃ التوحید ہے جو حکیم الامتہ شیخ محمد عبدہ مفتی مصر کی تصنیف ہے اور جبکہ اردو ترجمہ ہم شائع کر چکے ہیں جو کہ بار چہپ چکا ہے اور کمیٹی دنیات مد العتدوم نے اسکو پسند کر کے اسکول کے مذہبی نصاب میں داخل کیا ہے ان میں دوسری کتاب المدینۃ والاسلام ہے جو محمد فرید آفندی وجدی کی نہایت قابل قدر تصنیف ہے اور جبکہ سید محمد رشید آفندی نے جدید اسلامی تصانیف میں رسالۃ التوحید سے دوسرے نمبر پر لکھا ہے۔

اس قسم کے عالمانہ اور محققانہ مضامین کو دیکھ کر میں نے چاہا کہ ہمارے ہندوستانی

مسلمان جائی بھی ان سے محروم نہ رہیں اور شرک و بدعت کو تقلید و اوہام کے پڑے جوان کی
چشم بصیرت پر پڑے ہوئے ہیں اور وہ اسلام کی اصلی حقیقت سے واقف ہوں، اور دیکھیں کہ
خود ان کے علماء و حکماء کیا کہتے ہیں اور اسلام کی حقیقت کیا بتاتے ہیں۔ ۱۰ سلیے میں نے اپنے
مغزز دوست مولوی رشید احمد صاحب کے جو مولوی فاضل میں خواہش کی کہ وہ
اس بے نظیر اور قابل قدر کتاب کا اردو میں ترجمہ کریں۔ مولوی صاحب موصوف ایک نہایت
لائق اور ذی علم آدمی ہیں۔ ان کو عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے کی ایسی خداداد مہارت
حاصل ہے کہ ان کا ترجمہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ اردو کی ایک مستقل تصنیف معلوم ہوتی
ہے۔ زبان ان کی نہایت شستہ، عبارت بالکل سلیس ترجمہ نہایت صحیح اور بامحاورہ
ہوتا ہے۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے المدیۃ والاشلاہ کا بھی
اردو میں ترجمہ کر دیا ہے اور مولوی سعید احمد صاحب نے اس کو مطبع احمدی میں طبع
کیا ہے۔ مجھ کو امید ہے کہ اس ترجمہ سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچے گا۔ اور جو
مسلمان عربی نہیں جانتے ان کو معلوم ہوگا کہ اصلی اسلام کیا ہے۔ اور جو طالب علم
اپنے مذہب کے بے خبر ہیں اور انگریزی تعلیم ان کے دلوں میں لمحہ انداز اور لایانہ شکو
پید کر رہی ہے، یہ کتاب ان کے دلوں سے ان تمام شبہات کو دور کر دے گی۔
اور اسلام کی روشنی سے ان کے دل منور ہو جائیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے مسلمانوں پر یہ آخری احسان ہوگا
بلکہ وہ اس قسم کی اور بھی مفید کتابوں اور رسالوں کا ترجمہ کر کے اسلام اور مسلمانوں کی
عمدہ خدمت انجام دینگے۔ اور ہمیشہ کے لئے بطور باقیات الصالحات کے اپنی یادگار
چھوڑینگے۔

محسن الملک

۱۱ اگست ۱۹۰۴ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الانسان

انسان کیا ہے؟ کیا انسان سے مراد یہی مادی جسم ہے جس میں تحلیل و ترکیب اور فنا و تجدید کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور جو تبدیلی نشو و نما پاتا اور قوی ہوتا ہے اور پھر بغاوتِ قوت پر پہنچنے کے بعد رفتہ رفتہ اُس میں ضعف و انحطاط شروع ہوتا ہے اور اُس پر بڑا پادِ تسلط جاتا ہے، جو آخر کار اُس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتا ہے اور اُس کے بعد وہ زمین میں دفن ہوتا اور مٹی میں بلجاتا ہے؟ اگر اسی کا نام انسان ہے تو وہ ایک معمولی اور ادنیٰ درجے کے حیوان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جس کی نسبت شیر بلحاظ اپنی قوت اور صولت کے اور ہاتھی باعتبار اپنے ڈیل ڈول کے اور بندر بلحاظ اپنی پرتی اور چستی کے بدرجہا افضل ہے۔ اور نیز وہ اس اہمیت کا ہرگز مستحق نہیں ہے جو ہر کو عالم کائنات میں پیشتر حاصل تھی یا اب حاصل ہے۔ اگر ہر چیز کی ظاہری حالت کو اُس کے باطن کا عنوان قرار دیا جائے تو انسان کی حالت کائنات کے مشہار طبعی موثرات کے درمیان مثل اُس پر کے ہوتی،

جو تیز اور تند اندھیوں کی لہروں میں چاروں طرف مار مارا پرتا ہے اور جس کی دہی بدترین نوبت ہوتی ہے جو زبردست دشمنوں کے مقابلے میں کمزور کی ہو سکتی ہے۔

نہایت قدیم زمانے میں جو انسان کی حالت تھی اس پر غور کرو اور نیز موجودہ حالت کے ساتھ ہر کامقابلہ کرو، تم کو ایک نہایت عجیب اور حیرت انگیز مفید معلوم ہو گا جس کے دریافت کے معاملے میں بڑے بڑے عقلا بچھرائی کا اقرار کرتے ہیں۔

تم کو معلوم ہو گا کہ ایک کمزور مخلوق، برہنہ جسم، نازک بدن اور ضعیف الاعضاء جس کے پاس اپنی حفاظت کے لئے کوئی ہتھیار موجود نہیں ہے تنہا اور بے یار و مددگار زندگی کے جہل و قتال میں مبتلا کیا گیا ہے۔ وہ بلند اور سر بلند پہاڑوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان کی بلندی اور عظمت کا خیال کر کے اپنے دل میں ڈرتا ہے۔ وہ ہمسایان بیابانوں، عمیق غاروں اور گہنے جنگلوں اور پہنوں کو دیکھتا اور شیریں اور ورنڈوں کی ہونانک آوازیں سنتا ہے اور شیر سخت ہیبت طاری ہوتی ہے۔ نیلگوں آسمان اور روشن ستاروں کی چمک و مک آنکلی آنکھوں میں خیرگی پیدا کرتی ہے وہ اس کی وسعت اور رفعت کو دیکھ کر حیرت ہو جاتا ہے ان وحشتوں اور ہشتوں کے علاوہ گرمی سردی کے مصائب اور ہر کوئی اس کی تکالیف اس کے ایسے اہل دشمن میں جن سے کسی وقت بھی اس کو نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔

یہ حالت اس وقت تھی جبکہ وہ ابتداً دنیا میں آیا تھا۔ اب اس کی کیا حالت ہے؟ اس وقت تم کو معلوم ہو گا کہ اس کمزور مخلوق نے نہایت دلیری اور صبر و استقلال کے ساتھ تمام عوارض طبعی کا مقابلہ کیا ہے اور ان کو مغلوب و مقہور کر لیا ہے۔ یہ حیرت انگیز کامیابی اس کو ایسی قوتوں کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہے جن کو اس کے دست و بازو سے کوئی تعلق نہیں ہے اس نے صرف عوارض طبعی کے مغلوب کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ ان کو مسخر کر کے اپنے ضروریات

زندگی میں اُن سے خدمت لی ہے جیسا کہ فتح محمد بادشاہ جنگ کے قیدیوں سے خدمتیں لیا کرتے ہیں۔ دیکھو اس کمزور جاندار نے باوجود نازک بدن اور ضعیف الاعضاء ہونے کے ایسی قوت اور صلاحیت کا اظہار کیا ہے جو پہاڑوں میں نقب لگاتی اور ٹھوس پتھروں اور سخت چٹانوں کو پیس ڈالتی اور نولا کو گھملاتی اور پانی کر کے بہا دیتی ہے۔

کیا اس علمی تدبیر اور تفکر کے بعد کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ انسان صرف اس مادی جسم کا نام ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ لامحالہ ہر شخص کو اس امر کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس مادی جسم کو غلاف میں ایک ایسا جو مخفی ہے جسکی ماہیت اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہے مگر اُسکے آثار نہایت وضاحت کے ساتھ اُسکے موجود ہونے کی شہادت دے رہے ہیں۔ یہی جو ہر انسانیت کا مصداق ہے اور اسی سے انسان کو دیگر حیوانات سے امتیاز اور خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایسی بری بات ہے جسکے ثبوت میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ عجیب و غریب جو ہر کیا چیز ہے جسکی وجہ سے اس مادی جسم کو یہی رفعت اور برتری حاصل ہوئی ہے کہ وہ تمام زمینی مخلوقات کا مالک مطلق بن گیا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اُن میں تصرف کرتا ہے۔

اگر یہ انسانیت کا مصداق منجملہ ان چیزوں کے ہوتا جو عالم محسوسات سے باہر اور عاقل کی حد اور اختیارات سے خارج نہیں ہیں تو اُسکی ماہیت میں نہایت تحقیق کے ساتھ غور و فکر کرنا بالکل سہان ہوتا۔ یا اگر وہ حیوانیت کے مصداق کی طبیعت رکھتا جسکے غایات محدود اور جس کے انفعالات معلوم ہیں تو اُسکے مخفی ہر ار کے دریافت کرنے میں اُس سے زیادہ تکلیف ہوتی جس قدر کہ امراض کے مائکروب کے خواص دریافت کرنے میں ہوتی ہے۔ گویا یہاں حالت اسکے بالکل برعکس ہے۔ اگر انسان کی حالت کو بغیر غور و معائنہ

مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایسی تناقض باتیں جمع ہیں جن کی وجہ سے محقق طور پر اس کی خصوصیات کی تحدید کرنا یا اسکے آثار کو کسی اصول کلیہ کے تحت میں منضبط کرنا سخت دشوار ہے۔ گویا کہ انسانیت کا مصداق ایک ایسا ناپید اکنار سمندر ہے کہ بڑی بڑی دُور بین عقلیں اس کی گہرائی دریافت کرنے سے قاصر ہیں اور بلند پرواز اندیشہ کی رسائی اسکے ساحل تک نہیں ہو سکتی۔

اگر انسان پر لحاظ اسکے اکتسابی اوصاف کے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ ان کے درمیان کوئی ارتباط ہے جو انکو ایک سلسلہ میں منسلک کرتا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا اصول کلیہ ہے جس کے تحت وہ داخل ہو سکتے ہوں۔ اس حالت میں کہ تمکو ایسا شخص معلوم ہوتا ہے جو توسط اور اعتدال کی قدر قیمت جانتا ہے اور اپنی تمام خواہشوں اور رغبتوں کو تدبیر و تفکر کے معیار سے جانچتا ہے اور اپنے ہر قسم کے اعمال و افعال کو عدل اور میانہ روی کی میزان میں وزن کرتا ہے۔ اسکے دہنی جانب تم ایک ایسا شخص کیونکہ جس کا دل دنیا کی زندگی سے سیر ہو چکا ہے۔ نہ اسکو دنیوی لذات کی خواہش ہے اور نہ اسکے دل میں دولت و ثروت کی آرزو باقی ہے۔ آبادی سے اسکو قطعاً نفرت ہے وہ تنہائی اور فقر و فاقہ کی حالت میں شل و خمی جانوروں کے بنوں اور پہاڑوں میں رہنا پسند کرتا ہے اور ہر وقت اپنے پروردگار کی جناب میں ہی دعا کرتا ہے کہ دنیا کی طرف سے اسکو زیادہ تر نفرت ہو۔ اور اسکی مکافات میں وہ خدا کی رضا مندی چاہتا ہے اور اسکے بائیں جانب تمکو ایک ایسا شخص نظر آئے گا جس کی عقل و دنیوی لذات پر اسقدر رفقیت ہو چکی ہے کہ اسکو بڑائی بھلائی اور خیر و شر میں فرق کرنے کی تمیز باقی نہیں رہتی ہے۔ اسنے اپنے نفس کی باگ ڈھیلی کر کے سوسائٹی کے اخلاق و آداب سے اسکو آزاد کر دیا ہے جس طرح

اُسکو نفسانی خواہشات لیباقی ہیں اُسی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اگر تم ایک ایسا شخص دیکھتے ہو جو بوجہ اپنی جہالت اور نادانی کے حیوانات کی نسبت ہی زیادہ تر پست رتبہ سے گزر کر جوہرِ خنود اور سُستی اور کاہلی کے لحاظ سے جمادات کے قریب قریب پہنچ گیا ہے تو اُس کے برابر تمکو ایک شخص ایسا ہی نظر آتا ہے جو نہایت وسیع اور عظیم علم رکھتا ہے اور ہر وقت کائنات کے مخفی رموز و اسرار کے دریافت کرنے میں منہمک اور عقلی اور طبعی لذات میں مصروف رہتا ہے۔ اگر تم ایک ایسا شخص دیکھتے ہو جو اپنی زندگی کو اس قدر عزیز رکھتا ہے کہ اُسکی نسبت بزدلی کا شرمناک الزام عاید ہوتا ہو۔ تو اُسکے مقابلے میں تمکو ایک لیارد و جوارِ نظرِ ایگا جیسے سپید ان جنگ میں تلوار دہلی کٹا کٹ اور توپوں کی گرج اور گھوڑوں کے ہنسنے کی آوازیں سنکر عالمِ خود رفتگی طاری ہو جاتا ہے اور بہادر سپاہیوں کے خون کا سیلاب (جنہوں نے اپنی قومی عزت کی حمایت میں جان دی ہے) زمین پر بہتا ہوا دیکھ کر اُسکو نہایت خوشی حاصل ہوتی ہے۔ پس جس شخص نے انسان کی حالت پر ان تمام ممکن اوصاف کے لحاظ سے غور کیا ہے۔ جنکے مقبول کرنے کی قابلیت اُس میں موجود ہے کیا وہ انکو کسی عام قاعدے کے تحت میں منضبط کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

انسان کی خواہشوں اور رغبتوں کے لئے کوئی خاص حد معین قرار نہیں دی جاسکتی جہاں اُنکی انتہا ہو جاتی ہو۔ بلکہ جس مقام پر وہ پہنچتا ہے اُس سے آگے بڑھنے کا شوق اُسکو دامنگیر ہوتا ہے اور جب وہ اپنی اس آرزو میں کامیاب ہوتا ہے تو اُسکی ایسی ہنسی حاصل ہوتی ہے جو اُسکو اور آگے بڑھنے کے لئے آمادہ کرتی ہے اور تمام پچھلی کامیابیاں اُسکی نظر میں حقیر ہو جاتی ہیں۔

۱۔ فتح کیا دھکیل الجود قیظہ ۛ من سر جہ طلبا للعن او طربا
(منہج)

ہو سکتی ہیں۔ مگر انسان ان تمام خصوصیات سے بالکل محروم ہے اور اسکو بجائے ان تمام خصوصیات کے قدرت نے ایک نہایت متم بالشان فضیلت عطا فرمائی ہے یعنی یہ کہ اسکو اپنی قوت فکریہ میں غیر متناہی تصرف کرنے کی آزادی حاصل ہے۔

انسان باوجودیکہ جسمانی حیثیت سے نہایت کمزور اور ضعیف الخلق پیدا کیا گیا ہے لیکن اُسکے دل میں یہ ایک فطری خیال ہے کہ وہ تمام کائنات کا بادشاہ اور شرف المخلوقات ہے۔ پس اہلکی جسمانی کمزوری اور عاجزی اُسے اُس بلند ترین رتبہ پر پہنچنے سے نہیں روک سکتی جو قدرت نے اُسکے لئے قرار دیا ہے اور جس کی دُھندلی تصویر کبھی کبھی اُس کے وجدان میں نمودار ہوتی اور فوراً غائب ہو جاتی ہے اور اسطرح پر اس و اُمید کے بین بین ایک حالت طاری ہوتی ہے جو انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اس عظیم الشان رتبہ کے حاصل کرنے کی غرض سے جسکی کیفیت اور ماہیت مجہول ہے اور جسکا مخفی احساس نفس میں پایا جاتا ہے، اپنی تمام عقلی اور فکری قوتوں کو صرف کرے۔ یہ رفیع الشان مرتبہ جسکی دُھندلی روشنی انسانی وجدان میں کبھی کبھی چمکتی اور خاموش ہو جاتی ہے نفس انسانی کی ایک فطرتی تمنا ہے مگر اُس کی ماہیت کو تعین میں انسانی افراد نے لمجاظ اختلافِ ازمہ و اکنندہ ازمہ اختلاف کیا ہے۔ اور ہر شخص نے حتی الامکان غور و فکر کر کے اپنی حالت کے مطابق اس روحانی رغبت کا سراغ لگایا ہے۔ بعض لوگوں نے جسمانی قوتوں اور ہیمنی خواہشوں میں اسکو محصور رکھا ہے۔ انہوں نے زیب و زینت کے لئے مختلف قسم کے سامان ایجاد کر دیے اور عیش و طرب کے وسائل مہیا کرنے میں اپنی کوششوں کا سلسلہ متواتر جاری رکھا ہے جس سے مختلف قسم کے عجیب و غریب پیشے اور فنون لطیفہ پیدا ہو گئے ہیں اور مفید مضمتوں اور حرفتوں کے اصول مودون ہوئے ہیں۔ اور بعض نے حکومت اور سلطنت کو خیال کیا ہے

انہوں نے ممالک کو فتح کرنا اور رعایا کو مسخر کرنا شروع کیا۔ اس سے دنیا میں خونریز لڑائیاں واقع ہوئیں اور ان کے باعث سے ایسے علوم و معارف ایجاد ہوئے جن سے قوموں کو عروج و زوال اور انکی زندگی اور موت کے اصول دریافت ہوتے ہیں اور جنکو قوموں کی تہذیب اور شائستگی کی تدریجی ترقی کے ساتھ نہایت گہرا ارتباط ہے۔ اور بعض نے اُسکو نفسانی ریاضت اور اخلاق کی تہذیب گمان کیا ہے۔ اس سے علوم اخلاق اور علمی مباحث اور فلسفی مسائل پیدا ہوئے جس سے عقلی مادی میں ترقی اور فکری قوت کے دائرے کو وسعت حاصل ہوئے۔ غرض کہ اسی طرح اختلاف مشارب کے باعث سے انسانی ترقی اس درجہ تک پہنچی ہے جسکو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس نفسانی سعادت کی تلاش و جستجو میں یہ نفسانی تحریک اُسوقت تک جاری رہی جب تک کہ نوع انسان اس درجے تک نہ پہنچ جائے جو قدرت نے اُسکے لئے قرار دیا ہے۔

اس حیرت انگیز مدافعت کے اشارے میں خداوند تعالیٰ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرماتا تھا اور ان پر ایسے طریقہ کی وحی کرتا تھا جو ان زمانوں کے لئے مناسب ہوتا تھا کہ اگر انسان اُسکی پیروی کرے تو قریب ترین راہ سے دنیوی و اخروی سعادت کے اعلیٰ مراح پر پہنچ سکتا ہے۔ چند لوگ جن کی بدولت نوع انسان کی ترقی ایک حالت سے دوسری حالت پر خدا کو منظور ہوتی تھی وہ پیغمبر و نیکو اتباع کرتے تھے۔ اور ایک عرصہ تک انکی تعلیم و تلقین اور انکی ہدایتوں پر ثابت قدم رہتے تھے اور اُسکے بعد وہ آسمانی کتابوں میں تحریف و تاویل کر کے اُنکو نوع انسان کی رہنمائی کے ناقابل بنادیتے تھے اور بہر صورت اپنی باہمی مدافعت اور مخالفت میں مصروف ہو جاتے تھے یہاں تک کہ زندگی کے قوانین فطرت اُنکو شائستگی کے ایک سو درجہ پر ترقی کرنے کے لئے آمادہ

کرتے تھے اور خداوند تعالیٰ ان میں پہر ایک رسول مبعوث فرماتا جو شائستگی کے اس
جدید درجہ پر ترقی کرنے میں سب کا پیشرو ہوتا تھا۔ نوع انسان کی تمام قوموں میں باہمی مدافعت
اور مصالحت کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ انسانی عقل کا نمود درجہ تکمیل کو پہنچ گیا اور اُسکو
نیک و بد میں تمیز کرنے کی قوت پیدا ہوئی۔ پس اسوقت خدا نے حضرت سید المرسلین
خاتم النبیین کو ابدی شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ خیالات کی آویزش اور عقلی جنگ
و جدل کے جو آثار اسوقت کرہ زمین کے باشندوں میں دیکھے جاتے ہیں ان سے ڈرنا
نہ چاہئے اور نہ یہ نیویہ کا لانا چاہئے کہ کسی جدید پیغمبر کی بعثت کا زمانہ قریب آگیا ہے کیونکہ
یہ تمام جوش و خروش جو اسوقت ظاہر کیا جا رہا ہے اور یہ چل چل پھل جو تمہارے سامنے نظر
آ رہی ہے وہ صرف موجودہ اور آئندہ نسلوں میں اسلام کی حقیقت کے سمجھنے کی استعداد
پیدا کرنے کی غرض سے ہے۔

”سنو بھیجا آیا متنا فی الکساف و
نفسہم حتی یتبین لہم امانہ
الحق اولم یلغ بربك اند علی کل
شیء شہید۔“

”اب ہم دکھائی گئے اُنکو علامتیں دنیا میں اور
اُنکے نفوس میں تاکہ اُن پر ظاہر ہو جاوے
کہ حق کیا ہے کیا تیرے رب کا ہر چیز پر مطلع
ہونا کافی نہیں ہے۔“



تکالیف الحیات

زندگی کیا چیز ہے؟ دنیا کی زندگی ایک سلسل اور دہائی جنگ ہے جسکے ہولناک معرکوں کے سامنے بڑے بڑے تاجدار دنیا کی گردنیں جھکتی ہیں اور جس میں امیر غریب، جاہل عالم، غلام آقا، نادان اور دانا، سب برابر ہیں ایک کو دوسرے پر کسی قسم کی خصوصیت اور ترجیح حاصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا حشر ہے جس میں سے شیریں پانی کا ایک گھونٹ حاصل کرنے کے لئے سخت مصائب و آلام کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور بعض اوقات ایسی تلخ کامیاں نصیب ہوتی ہیں جنکا تذکرہ کرنا ہر شخص کو مشکل ہو جاتا ہے۔

کیا تم جانتے ہو کہ انسان کی زندگی کیا چیز ہے؟ انسان کی زندگی ایک نہایت قلیل المقدار مدت ہے جسکو بچ و الم تکالیف اور مصائب حد شمار سے باہر ہیں اس میں انسان کو ایسے حادثات کی تلوار و نکامتا بلکہ کرنا پڑتا ہے جسکے وار سے نہ تو فو لادی زر ہیں بچا سکتی ہیں اور نہ مستحکم قلعے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ جسوقت انسان پیدا ہوتا ہے سو وقت سے یہ حادثات سایہ کی طرح اُسکے ساتھ ہویتے ہیں۔ وہیں تنہا کو پہونختا لہر جو ان ہوتا اور آخر کار بڈا ہو جاتا ہے مگر تکالیف حیات اور مصائب زندگی کے متواتر حملوں سے اُسکو ایک منٹ کے لئے بھی مہلت نہیں ملتی۔ حتیٰ کہ انسان مجبور ہو کر یہ آرزو کرتا ہے کہ کاش وہ حیوان ہوتا اور ان مصائب زندگی سے جن کی برداشت کرنے سے مستحکم اور سرلنگاہک پہاڑ بھی عاجز ہیں اور جو بوجہ رفیع المرتبت اور اشرف المخلوقات ہونے کے اُس پر نازل ہوتی ہیں محفوظ رہتا۔

”ان اعرضنا الامانة على السموات
والارض والجال فالين ان يحملنها
واشفقن منها وحملها الانسان“
”جسے ذمہ داری کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑ
پیش کیا تو انہوں نے اُسکو اٹھانے سے
انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور آدمی نے
بنے تامل اُسکو اٹھالیا۔“

انسان نہ تو کوئی آسمانی فرشتہ ہے کہ وہ خواہشوں اور رغبتوں اور نیز انکی منفص کرنا
تخلیوں سے الگ تملک رہے اور نہ وہ حیوان لاعقل ہے کہ زندگی کی تاثیرات اور اُسکی
آلام اور استقام کا احساس اُسکے دل میں کمزور ہو بلکہ خالق عالم نے اُسکو ان دونوں
مربوئے بین میں ایسے درجہ پر رکھا ہے کہ اگر وہ کماحقہ اپنے نفس کا احترام کرے تو ہقدر
عظیم الشان رفعت اور برتری حاصل ہو سکتی ہے کہ فرشتے اُسکی خدمت کو اپنا فخر
سمجھیں۔ لیکن اگر وہ اپنے نفسانی فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی کرنے لگے اور بشریت
کے تسلط کا مطیع و منقاد ہو جائے تو وہ تنزل اور انحطاط کے ایسے عین گرا ہے جس گریگا
کہ اُسکی ذلیل ترین اور بدترین حالت کو دیکھ کر ادنیٰ حیوانات ہی اُس سے نفرت کرینگے۔

خدا نے ازل سے ہی اُسکی قسمت میں لکھ دیا ہے اور اُس میں ایسی استعداد اور قابلیت
و دلچیت کی ہے جس کی بدولت وہ رفعت اور کمال کے اس مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے جو اُسکی
شان کے لائق ہے اور اُسکے دل کو ایک ایسی عقل کا مسکن بنایا ہے جو اُسکے سامنے
تاریک حالات کو روشن کرتی اور خطرات کی قیود سے آزاد کرتی ہے بشرطیکہ مناسب طور
پر اُس سے مشورہ کیا جائے اور اُسکی ہدایتوں کے مطابق کاربند ہو نہان کے گرد و پیش
جس قدر مصائب اور شدائد پیدا کئے گئے ہیں ان سے یہ عرض نہیں ہے کہ انسان بلا وجہ
عذاب اور مصیبت میں مبتلا رہے یا یہ کہ (نحو ذالہ) اُسکی فریاد و فغاں اور آہ و زاری کی آواز

خدا کو خوشگوار معلوم ہوتی ہے بلکہ یہ تمام مصائب اور شدائد انسان کے لئے موجب عبرت اور نصیحت ہوتی ہیں جو اسکو آئندہ ٹھوکر کمانے سے محفوظ رکھتے اور ہلاکت سے بچاتے ہیں۔
 ”ظہر الفساد فی البر والنجس البسبب“ صرف لوگوں ہی کے کرتوتوں سے
 ایدی الناس لیدلہم بعض کیا خشکی میں اور کیا تری میں یعنی ہر جگہ خرابیاں
 الذی علما العلم یرجعون “ ظاہر ہو چکی ہیں کہ لوگ جیسے جیسے عمل کر

رہے ہیں خدا انکے بعض اعمال کا مزا
 انکو چکاتا ہے تاکہ وہ ایسی حرکات سے باز رہیں
 بیشک جس قدر مصائب اور شدائد انسان کو محیط ہیں اور نیزہ تغیرات جو اسکی طرف سے
 امید و نودریم پر ہم کر کے مایوسی سے بدل دیتے ہیں وہ ہرگز انسان کی سعادت و فلاح
 اور اسکے حصول مقاصد کے درمیان سد راہ نہیں ہیں۔ پس انسان کو شل اس نافرمان بچے
 کے نہونا چاہیے جس کا باپ اسکو سستی اور کاہلی سے منع کرتا ہے اور اسلئے وہ اپنے
 شفیق باپ کو ہر دم اور قسبی القلب خیال کرتا ہے۔

”اللہ ارف بعبادہ ص هذا“ خدا اپنے بند و پیروں سے زیادہ مہربان ہے
 العصفور علی فرخہ “ جہنم کہ چڑیا اپنے چوہے پر مہربان ہوتی ہے۔

ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں کہ انسان میں اس امر کی استعداد اور قابلیت و استعداد
 کی گئی ہے کہ وہ رفعت اور برتری کے ان غیر متناہی مدارج پر جن کی تحدید سے شرع کے
 تعینات بھی قاصر ہیں ترقی کر سکتا ہے پس جبکہ یہ امر آپ کے نزدیک مسلم ہو چکا ہے تو میں دریا
 کرتا ہوں کہ وہ کونسے وسائل ہیں جو انسان کو اس ظلمتکدہ آب و گل سے اٹھا کر اس عالم نور
 میں پہنچانے والے ہیں؟ کیا آپ کا یہ منشاء ہے کہ آسمان سے خدا کے فرشتے نازل ہوں

اور انسان کا ہاتھ پکڑ کر اس رفیع ترین مقام پر کینچنے ہوئے لیجائیں جو قدرت نے اس کے لئے قرار دیا ہے۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ بیشک ہمارا ہی منشا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ پھر خالق عالم نے انسان میں وہ تمام عقلی اور فکری قوتیں کیوں ودیعت کی ہیں جن کی طرف ادنیٰ التفات کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے انسان کے دل میں ایک ایسا غیر متناہی خزانہ ہے جس کے گراںمایہ جواہرات پر غور کرنے میں اس کی تمام عمر صرف ہو جائے۔ یہ ایک ایسا خزانہ ہے جس کے مقابلہ میں زرد جو اہر کی کوئی حقیقت نہیں اور جو انسان کو اس اعلیٰ ترین مرتبہ کی ترقی کے لئے جبراً آمادہ کرتا ہے جو دنیا میں اس کی عظمت اور شان کے لائق ہے۔

”ما وسعتی ارضی ولا سماعی ولا
کن وسعتی قلب عبدی المؤمن اللین
الودع“

”میں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں اور نہ
آسمان میں لیکن میں اپنا اس بندہ کے دل میں
سما سکتا ہوں جو باایمان اور نرم خو
ہے۔“

اے حضرت انسان! آپ اپنے نفس سے غافل اور اپنے اشرف ترین فضائل سے بالکل بے خبر ہیں۔ آپ کو ہرگز مناسب نہیں ہے کہ آپ شاعر و نئے خرافات کو سن کر جو منہ لگیں اور زمانہ کی مذمت اور گزشتہ اور آئندہ حالات پر نوچہ کرنے میں اُکلا ساتہ دیں آپ نے اپنی تمام عمر مصائب کا خیال کرنے اور حادثات سے ڈرنے اور نیز ایسے دواڑ کا اوہام اور خیالات خام کے پختہ کرنے میں صرف کی ہے جن سے حیرانات ہی نفرت کرتے ہیں۔ کیا ایسے شخص کے لئے جس کی بلند پرواز فکر آسمان کو ستاروں اور عالم کے عجائبات پر محو ہو یہ بات مناسب ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر پستی اور ذلت کے اس درجہ پر اتر آئے کہ وہ ان تمام عظیم الشان مواہب قدرت کو ایسے کاموں میں

حالانکہ وہ طریقہ اُسکی آنکھوں کے سامنے ہے اور ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ وہ اس سیدھی شرک پر روانہ ہو جائے اُسکے بعد منزل مقصود تک پہنچنے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔

دو تین چیزیں جو انسان پر قدرت کی طرف سے مسلط کی گئی ہیں یہ ہیں (۱) طبیعت (۲) نفس انسانی (۳) بنی نوع انسان۔ طبیعت انسان کے جسم کی اصل ہے جس پر اسکی جسمانی راحت اور مادی صلاح و فلاح کا انحصار ہے۔ جوقت انسان پیدا ہوا اور اس مادی عالم میں ڈالا گیا تو اُسکو بیشمار نو اہیں فطرت اور عوارض طبعی کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اسوقت وہ بہت بے جسم اور خالی ہاتھ تھا، کوئی ہتھیار اُسکے پاس موجود نہ تھا۔ سورج کی حرارت، زمین کی رطوبت، آسمان کی موسلا دھار بارشیں اور جنگلوں کی لہریں اُسکو تکلیف دیتی تھیں۔ وحشی درندے اپنے مہیب دانتوں اور تیز پنجوں سے اُسکو ڈرامے تہتے غرض کہ ان مصائب کے درمیان انسان ایسے تیر و نکانہ نشانہ بن رہا تھا جن سے کوئی سپر اُسکو محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ پس اگر مثل دیگر حیوانات کے اُسکی قوتیں محدود ہوتیں تو اُسکے لئے ایک منٹ ہی زندہ رہنا ناممکن تھا۔ مگر خداوند تعالیٰ نے اُسکو ایسی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن کی مدد سے وہ طبیعت کو مغلوب و معزور اور بیخبر کی قوتوں کو مسخر کر سکتا ہے۔ غرض کہ انسان نے عوارض طبعی کے مقابل میں اپنی ہمت اور الوا العزمی کو استقلال کے ساتھ قائم رکھا اور اپنی فکر کے تیز ہتھیار کے ساتھ معرکہ آرائی کرتا رہا۔ ابتدا میں اُس نے ایسی صنعتیں ایجاد کیں جو اسوقت اُسکی حفاظت کے لئے کافی تھیں اور انکی اصلاح میں کوشش کرتا رہا اور بتدریج ترقی کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ غار و بکی سکونت کے بعد اُسکو مکانات کے تعمیر کرنے پر دسترس حاصل ہوئی اور اسکے بعد کہ وہ درختوں کی چڑوں

اور اُنکے پتوں سے اپنی قوت لایموت حاصل کرتا تھا زمین کو جو تنے اور بونے اور غلہ حاصل کرنے لگا۔ مگر طبیعت ایک لحظہ ہی اُس سے غافل نہیں رہی تاکہ اُس کی محبت میں سکوت اور اُسکی حرکت میں سکون نہونے پاوے پس جسوقت وہ کسی کام کو نہایت اتقان اور استحکام کے ساتھ تیار کر کے فارغ اور مطمئن ہوتا تو طبیعت فوراً اُسپر حملہ کر کے اُسکو درہم برہم کر دیتے تھے اور وہ مجسمہ اُسکی اصلاح میں مصروف ہوتا تھا۔ چنانچہ یہی مدافعت اور مخالفت کا سلسلہ ہر لمحہ اُسکے درمیان آجتا جا رہی ہے۔

یہ سلسلہ اور دائمی جدال و قتال جو ہمارے اور طبیعت کے درمیان ابتداء سے آفرینش سے ہو رہا ہے اُسکا ایک نتیجہ انسان کی وہ مادی ترقی ہے جسکو ہم آج لندن اور پیرس میں بلحاظ عجیب و غریب صناعات اور حیرت انگیز ایجاد و اختراعات کو دیکھ رہے ہیں۔ اس قسم کے حالات اگر کسی مشرقی شخص کے سامنے بیان کئے جاویں تو وہ کہیں والا کہو مجنون خیال کرے گا۔ یہ مادی ترقی طبعی طور پر نہایت عظیم الشان ادبی ترقی کو مستلزم ہے کیونکہ مادی ترقی بغیر عقلی قوت کے کام میں لانے کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بدیہی بات ہے کہ یہی قوت تمام انسانی فضائل و کمالات کی بنیاد ہے۔

بس دیکھو جن چیزوں کو ہمارے آباء و اجداد کو کالیف اور مصائب نینال کرتے تھے کس طرح انہوں نے انسان کو ترقی اور خوش حالی کے لئے اُکسایا اور اُسکو میونسپلٹی کے گڑھے سے نکال کر انسانیت کی بلندی پر پہنچایا ہے؟ کیا اسکے بعد بھی یہ بات جائز ہے کہ ہم ان مصائب کی مذمت کریں حالانکہ صرف وہی انسانی فکر کو حساب سعادت و فلاح کی طرف متوجہ کرنے والے ہیں؟ کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم بجائے رونے اور

چلانے کے ایسے وسائل تہیاب کریں جو ان طبعی مصائب کی ضرورتوں کو ہلکا کرنے والے ہوں؟ جبکہ یہ امر انسانی فکر کی قدرت سے باہر نہیں ہے کہ وہ ایک ایسا آلہ ایجاد کرے جو بجلی کو گرفتار کر کے آہل اسافلین تک لیجاے تو یہ بات کیونکر اُسکے امکان سے خارج ہو سکتی ہے کہ وہ کوئی ایسا سیدہ سادہ طریقہ دریافت کرے جس سے ان کیرٹوں کے نقصانات کم ہو جائیں جو روٹی کی فصل کو بسا اوقات برباد کر دیتے ہیں اور جس کے مقابلہ سے ہمارے ملک کے کاشتکار ~~کھلے~~ یورپین قومیں طبعی حادثات کے علل و سبب کا سراغ لگائے کی عادی ہیں اور جس وقت کوئی نیا حادثہ واقع ہوتا ہے تو وہ فوراً اُسکے سبب کی جستجو شروع کر دیتے ہیں اور اُسکا علاج دریافت کرتے ہیں تاکہ اُسکا دفعیہ ہو یا کم از کم اُسکے نقصانات میں تخفیف ہو۔ وہ اپنی کوششوں میں ہرگز کوتاہی نہیں کرتے جتنے کہ آخر کار اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ کیونکہ انکو اس امر کا یقین کلی حاصل ہے کہ انسانی فکر میں وہ تمام طریقے موجود ہیں جو انکی آئندہ زندگی کے کفیل ہیں جیسے کہ وہ گذشتہ ہیں تھے۔ اور یہی انکی موجودہ حیرت انگیز ترقی کا اصلی سبب ہے۔

انسانی ترقی میں دوسری جو چیز موثر ہے وہ خود نفس انسانی ہے۔ یہ موثر نہایت قوی اور اُسکی تابش نہایت زبردست ہے۔ پہلے موثر کی نسبت اُسکو صرف یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ مصنوعی ہے۔ ہر ایک انسان اس امر کا احساس کرتا ہے کہ اُسکا وجدان ایک نہایت وسیع میدان ہے جو مختلف خواہشوں اور رغبتوں اور ہشیار امید و نکل جولانگاہ بن رہا ہے کوئی شخص نہ ان چیزوں کو اپنے وجدان سے نکال سکتا ہے اور نہ انکی اس تاثیر کو جو وجدان پر ہوتی ہے باطل کر سکتا ہے۔ اس بارہ میں اُس کی تمام کوششیں یقینی بیکار

ہونگی۔ چونکہ یہ خواہشات قوانینِ محسوسات کی حدِ قدرتِ ار سے خارج ہیں اسلئے اعتدال کی میزان میں انکا وزن کرنا ناممکن ہے اور چونکہ یہ رعیتیں تحدید کے اختیار سے باہر ہیں اسلئے انسان اپنی آنکھوں سے اُس مرکز کو نہیں دیکھ سکتا جس کی طرف وہ اضطراری طور پر کھینچا ہوا جارہا ہے اور نیز چونکہ یہ اُمیدیں احکامِ قناعت کی فرمانبرداری سے آزاد ہیں اسلئے اُنکو کسی خاص نقطہ پر ٹھیرانا ناممکن ہے بلکہ خالقِ عالم کی قدرت اور حکمت کا یہی نشانہ ہے کہ یہ اندرونی موثرات ہر ایکیت سے آزاد اور ہر ایک حد سے متجاوز اور ہر ایک رابطہ اور مضابطہ سے باہر ہیں اور چونکہ ان میں ایک قوی تحریک اور زبردست تاثیرِ دوئیت کی گئی ہے اسلئے وہ انسان کے وجدان میں مثل اُن موجود کے ہیں جو مقابل کی سمتوں سے اُٹھتی اور نہایت زور و شور کے ساتھ باہم ٹکراتی ہیں۔ انکا جوش و خروش اور تلاطم اور تصادم استعد ہولناک ہوتا ہے کہ خود انسان جسکے دل سے یہ لہریں پیدا ہوتی ہیں خوف زدہ ہو جاتا ہے۔

اُس شکستہ حالِ شخص کی طرف دیکھو جو پیسے پرانے کپڑے پہنے ہوئے اس درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا ہے اور جسکے چہرہ سے مایوسی اور سر آسگی کے آثار ظاہر ہیں۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ اُسکا ظاہری سکون اُسکے باطنی سکون پر دلالت کرتا ہے یا یہ کہ فقر و فاقہ کے صدمات نے اُسکے دل کی پوشیدہ اُمیدوں اور وجدانوں میں سکون پیدا کر دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اُسکی حالت ان نفسانی انفعالات کے لحاظ سے اُس عظیم الشان شہنشاہ کی نسبت ہرگز کم نہیں ہے جو ایک مہذب اور شائستہ اور ترقی یافتہ قوم میں تخت و تاج کا مالک ہے۔ کمزور انسان اس گروہِ زمین پر محدود جسم کے اندر ایک غیر محدود چیز پیدا کیا گیا ہے۔ اُسکے دل میں جس کی تقدیر

چند انچ سے زیادہ نہیں ہے ایک ناپید اکنار سمندر موجزن ہے۔ وہ کائنات کی محدود اور مشہود چیزوں میں سے کسی چیز پر صرف اُس وقت تاک اطمینان کر سکتا ہے جب تک کہ اُسکو محقق طور پر معلوم نہ ہو جائے کہ اُس چیز سے ایک ایسی کشتی نہیں بن سکتی جسکے وسیلے سے اُس ناپید اکنار سمندر کو عبور کرنا ممکن ہو جسکی موجودگی کے تلاطم کی ہولناک آواز وہ اپنی دل میں سنتا ہے۔ بیشک انسان نے اُس چیز کی تلاش و جستجو میں جو اُسکے نفس کی ہمتی و تمنا ہے ابتداءے آفرینش سے اپنے مقدور بہرہ کو کشش کی ہے اور اسی دہن میں اُس نے ہر راستہ کو ٹٹولا اور ہر میدان کو پے سپر کیا ہے اور وہ ہر نشیب میں اُتر ا اور ہر ایک بلندی پر چڑھا ہے۔ ان سر توڑ کوششوں کے درمیان اُسکو ایسے موانع پیش آتے تھے جو اُسکو آگے بڑھنے سے روکتے تھے اور اس طرح اُسکو اُس چیز کی مابیت میں جو اُسکو کھینچنے لے جا رہی ہے اور جس کی طرف وہ جا رہا ہے زیادہ بصیرت حاصل ہوتی ہی نہیں وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتا اور اپنی کوششوں میں بہ نسبت سابق کی کس قدر ترقی کرتا تھا۔ اُسکے بعد آگے چل کر ہر اُسکو حادثات اور مشکلات دامنگیر ہوتے تھے اور اُسکو معلوم ہوتا تھا کہ اسکی غرض و غایت ان تمام امور کی نسبت بالاتر ہے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ اُسے پستی سے بلندی کی طرف ترقی کی ہے۔ اور اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ جب انسان کا نفس اپنی تمنا کا مطالبہ کرتا ہے تو اُسکو بجائے زمین میں تلاش کرنے کے جیسا کہ پیشتر اُس کی عادت تھی اب آسمان میں تلاش کرتا ہے۔

انسانی ترقی میں تیسری چیز جو موثر ہے وہ نوع انسان ہے یہ بذات خود اور مستقل طور پر موثر نہیں ہے لیکن سابق موثر کا نتیجہ ہے۔ چونکہ نوع انسان میں جو سخت ترین

اقلبات ہوئے ہیں وہ اسی موثر کے نتیجے ہیں اس لئے ہم نے اسکو مستقل موثر تسلیم کر لیا ہے۔ ہم کمربریان کر چکے ہیں کہ انسان اس امر میں تمام کائنات سے ممتاز ہے کہ اس کی خواہشیں اور عبتیں ہر قسم کی تسود سے آزاد اور اس کے انفعالات ان تمام حدود سے تجاوز ہیں جو تصور کے احاطہ میں آ سکتی ہیں۔ بخلاف حیوانات کے کیونکہ وہ ایسے قواعد کے اندر محدود پیدا کئے گئے ہیں جسے وہ ہرگز تجاوز نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔ پس جبکہ یہ بات محقق طور پر آپ کو معلوم ہو چکی ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس فطری بے قیدی کے عالم میں اسکی کیا بری نوبت ہوتی اگر اسکی زندگی میں ایسے امور پیش نہ آتے جو اسکو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنی خواہشوں اور رعبتوں کو توسط اور اعتدال کے نقطے سے آگے نہ بڑھنے دے۔ کیا آپ ہمارے ساتھ اس امر کا اقرار نہیں کرتے کہ اس صورت میں اسکا وجود صفحہ ہستی سے معدوم ہو جاتا۔ یا اگر باقی رہتا تو وہ ایک ایسے سیلاب کے ساتھ بہتا ہوا چلا جاتا جسکو وہ منزل مقصود پر پہنچا تو وہ الاخیال کرتا ہے اور آخر کار اسکا یہ خیال باطل ثابت ہوتا اور نہایت بدترین حالت کی موت اسکا کام تمام کر دیتی۔

فرض کرو ایک شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ حقیقی سعادت صرف دولت و ثروت سے حاصل ہو سکتی ہے مگر نہ دولت و ثروت کے انواع و اقسام محدود ہیں اور نہ اسکی کوئی حد و انتہا اسکے ذہن میں منقوش ہے۔ پس میں پوچھتا ہوں کہ اس خطرناک راہ میں جو انسانی خصائل کے لئے ایک مہلک چیز ہے اسکی کیا حالت ہوگی اگر اسکے سامنے ایسے مانع پیش نہ آئیں جو اسکو تھوڑی دیر کے لئے روکیں اور اسکو اس معاملہ میں غور و فکر کرنے کے لئے مجبور کریں کہ مثلاً اگر وہ ہزار برس تک زندہ رہے گا اور حصول دولت و ثروت میں کوششوں کا سلسلہ برابر جاری رکھے گا تاہم وہ اپنی اتھنائی امید و کونہیں پہنچ سکیگا یا

مثلاً اگر وہ تارون وقت ہی ہو جائیگا تب ہی اُسکو سعادت و فلاح حاصل نہ ہوگی۔
 بیشک جنے انسان کو پیدا کر کے اُسکے خیالات کو ہر قسم کی قیود سے آزادی عطا
 فرمائی ہے اُسی نے اُنکے مقابل میں ایسے مانع پیدا کئے ہیں جو ان کو افراط سے باز رکھنے
 والے ہیں۔ اور نیز اُسے ایسے اسباب پیدا کئے جو تقریظ سے روکنے والے ہیں۔ جو
 امور انسان کو تقریظ سے روکنے والے اور پشیمانی کے لئے اُکسانے والے ہیں اُن کو
 ہم گذشتہ فصلوں میں بیان کر چکے ہیں۔ مگر وہ موانع جو اُسکو افراط سے باز رکھنے والے
 اور مطاب اور مقاصد میں نقص اُعتدال پر قائم رہنے کے لئے مجبور کرنے والے ہیں
 ان میں سب سے زیادہ اہم خود ہی نوع انسان کی مقاومت اور مزاحمت ہے۔ یہ مزاحمت
 دو بڑی قسموں پر منقسم ہوتی ہے۔ اول ایک قوم کے افراد کی باہمی مزاحمت ہے۔ اور دوم
 وہ مزاحمت ہے جو زندگی کے کاروبار میں تو مونکے درمیان ہوتی ہے۔ یہی دونوں قسمیں ”تنازع البقا“
 (منع البقا من البقا) کے نام سے موسوم ہوتی ہیں اور انہیں دونوں
 کی بدولت انسان کو ان تین عظیم الشان امور کا سبق حاصل ہوا ہے جن پر تو مونکی زندگی
 کا انحصار ہے۔

ان عظیم الشان امور میں اول یہ ہے کہ اپنے حق سے کسی وقت بھی غفلت جائز نہ رکھنا کیونکہ
 اگر ایسا ہوگا تو قوم پہلے اپنے درجے سے گر جائیگی۔ دوم تو اعدا عدل سے واقف ہونا کیونکہ
 اور ظلم کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اُسکی ہمسر دوسری قومیں دشمنی اور عداوت پر آمادہ ہو جاتی ہیں جس
 سے اُسکی حالت تباہی کے قریب پہنچ جاتی ہے اور وہ اپنے تمام حقوق سے محروم
 ہو جاتی ہے۔ سوم تمام نوع انسان کا پوری طرح احترام کرنا۔ تیغوں اور جھڑیوں کے کار بار
 کا معیار یہی اسی طرح وہ ان عظیم الشان امور تو مونکے درمیان جو آزادی اور استقلال کی

نعمت سے متمتع ہیں باعثِ نظام ہیں۔ پس اگر کوئی صاحبِ استقلال قوم اپنی ہمسایہ قوموں کے ساتھ مقابلہ کرنا ترک کر دے تو یہ امر ضروری ہے کہ وہ اپنے مطالب اور مقاصد میں اُس سے آگے بڑھ جائیگی اور وہ قوم اُن تمام وسائل سے محروم ہو جائیگی جنہیں اُس کی زندگی کا قیام منحصر ہے۔ کوئی شخص ان ترقی کرنے والی قوموں کو ظالم نہیں کہہ سکتا بلکہ یہی قوم ظالم اور گندگار شمار کی جاوے گی جس نے ان تمام قوموں کا استعمال کرنا ترک کر دیا ہے، جو قدرت نے اُس میں ودیعت کی تھیں۔ جو شخص انسانی گروہوں کے حالات پر غور کرے گا اُسکو انکی باہمی مسابقت اور مزاحمت کے عجیب و غریب واقعات معلوم ہونگے۔ امر دوم عدل ہے۔ اسکی ادنیٰ خاصیت یہ ہے کہ جس قوم پر اسکا مبارک سایہ پڑتا ہے اُسکے افراد میں اپنے حقوق کی نسبت ایک دوسرے پر کبھی اطمینان ہوتا ہے اور کسی کو کسی سے جو ردِ قعدی کا اندیشہ نہیں رہتا اس سے افراد قوم کے درمیان اتحاد و ارتباط پیدا ہوتا ہے اور وہ متفق ہو کر اپنی مشترک غرض کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں اور وہ مشترک غرض تمام قوم کی فلاح و بہبود ہے۔ عدل کے بہترین نتائج کی اگر کوئی محسوس دلیل دیکھنا چاہے تو اُسکو موجودہ اور گزشتہ قوموں کی تاریخ پر منظرِ تعمق غور کرنا چاہئے۔

نوع انسان کے احترام کی خصلت جسوقت کسی زندہ قوم کے نفس میں راسخ ہوجاتی ہے اُسکے مقابلہ میں وہ تمام ہتھیار گند ہو جاتے ہیں جو زندگی کی کشمکش (تنازع البقاء) کی تاثیر سے اُسکی طرف اُٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور ہمسایہ قوموں کی حرص و طمع کی بڑھتی ہوئی آگ خاموش ہوجاتی ہے اور اُسکو اپنی اس خصلت کی وجہ سے استعدا اطمینان ہوتا ہے جو قدر اُسکو اپنی عظمت اور قوت پر نہیں ہو سکتا۔

اب ہم اپنے اصلی مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تینوں اصولی

موثرات (یعنی طبیعت اور نفس انسان اور بنی نوع انسان) اور انکے ساتھ بے شمار
فروعی نوامیس فطرت جو انسانی ترقی کا باعث ہیں انکو خالق عالم نے اسلئے مسلط کیا ہے
کہ انسان وحشت اور حیوانیت کے درجے سے شائستگی اور انسانیت کے درجے پر
ترقی کرے۔

الدین لعلم

مذہبی اور علمی گروہوں میں جو معرکہ آرائی آپ دیکھتے ہیں وہ قریب زمانہ کی پیدا
نہیں ہے۔ ہکویتانج سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت قدیم زمانوں میں اکثر قوموں کی
یہی حالت تھی ان دونوں فریقوں کے درمیان جدال و قتال کا سلسلہ برابر جاری
رہتا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہمارے زمانہ کی نسبت قدیم زمانوں کے علمی اور مذہبی
جدال و قتال نہایت سخت اور برباد کن ہوتے تھے۔ اکثر قوموں کے فلاسفہ قتل کئے
گئے، ہزار ہرے ہلاک کئے گئے اور آگ میں جلائے گئے اور انکا صرف یہی جرم تھا کہ
وہ اپنے ہموطنوں کی عقلوں کو روشن اور اوہام اور خرافات کی زنگ سے صاف کرنا چاہا،
تھے۔ مگر ہمارے زمانہ میں جیسا کہ میسور بٹلو (Mr. Bhatnagar) کا قول ہے علم کو
پوری آزادی حاصل ہو چکی اور خطرہ باقی نہیں رہا کہ علم پر مذہب کو یہ کہی علیحدہ
ہو سکے میسور بٹلو کا یہ قول بالکل ٹھیک ہے۔ کیونکہ ہم اہل مغرب کی اکثر تالیفات
دیکھتے ہیں جو مذہب کی نسبت طعن و تشنیع سے بھرپور ہوتی ہیں جس سے ہکو معلوم ہوتا ہے
کہ یہ لوگ مذہب سے اس طرح نکل گئے ہیں جس طرح تیرکان سے نکل جاتا ہے۔

انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ وہ مذاہب کو صفحہ ہستی سے محو ہوجانے کی دہلی دے رہے ہیں۔ کیونکہ انکے خیال میں وہ علمی قواعد اور ان اصول فطرت پر منطبق نہیں ہے جو انسان کو ترقی دینے والے ہیں۔

میسو بنجامن کونستان (Benjamin Constant)

نے ایک کتاب تالیف کی ہے جسکا نام (مذہب اور اسکا سرچشمہ اور اسکی شکلیں اور اسکی ترقی) ہے۔ اس کتاب میں مولف نے ان امراض سے بحث کی ہے جنہوں نے ظل اعتقادات کی مدد سے انسانی گردہوں کے جسم کو ٹھنڈا ڈالا ہے۔ اور اسکے بعد اسنے فیضید کیا ہے کہ ان مزین امراض کا علاج شخصی آزادی، کائنات کی آزادی، اعتقاد کی آزادی اور بالاجمال تمام ضروری آزادیوں کے بغیر ناممکن ہے۔ اسکے بعد اسنے لکھا ہے کہ ”اس طریقہ سے مذاہب اپنے ہر قسم کے زنگ اور میل سے پاک صاف ہوجائیں گی۔ مگر ہم کو خیال نہیں ہے کہ ایسا ہو سکے۔ کیونکہ مذہبی اصول اور قواعد میں سے کوئی اصل اور قاعدہ ایسا نہیں ہے جسکو زنگ نہ لپکا چکا ہو۔ اور چونکہ یہ اصول اور قواعد علم کے منافی ہیں اسلئے یہ امر یقینی ہے کہ تمام مذاہب اور ادیان بالضرور صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہوجائیں گی“ ہم کو نہایت تعجب ہے کہ ایک نہایت مشہور اور نامور عالم بغیر کسی ہتھاکے تمام مذاہب کی نسبت زوال کی پیشین گوئی کرے۔ حالانکہ اسنے تمام مذاہب کو اصول پر غور نہیں کیا۔ کیونکہ اگر وہ اسلام پر غور کرتا اگرچہ یہ غور سطحی اور سرسری ہوتا تاہم اسکو حقیق طور پر یہ بات معلوم ہوجاتی کہ اسکا کوئی اصول علم سے متناقض نہیں ہے جیسا کہ اسنے ذمہ تمت لگائی جاتی ہے۔ اس فصل میں ہم وہ سخت ترین مطاعن نقل کرتے ہیں جو یورپ کے مشاہیر علمائے مذاہب کی نسبت عائد کئے ہیں تاکہ ہمارے ناظرین کو اہل یورپ

کے علمی خیالات کا رجحان معلوم ہو جائے اسکے بعد ہم اسلام کے اصول بیان کرینگے تاکہ محقق طور پر ثبات ہو جاوے کہ اسلام انسانی نفوس کی انتہائی متناسب ہے۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مسیو کوستان نے تمام مذاہب کی نسبت زوال کی پیشین گوئی کی ہے۔ اب ہم صرف اس قدر کہنا چاہتے ہیں کہ اسے اپنے دعوے کو فلسفی طور پر ثبات کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”ہر ایک قاعدہ خواہ وہ موجودہ حالت میں کتنا ہی مفید ہوتا ہم یہ امر ضروری ہے کہ اسکے ساتھ کوئی نہ کوئی شلخ ایسی ضرور لگی ہوگی جو آئندہ زمانے میں ترقی میں سد راہ ہوگی۔ کیونکہ وہ قاعدہ ایک عرصہ کے بعد ایک ساکن شکل اختیار کر لے گا جس کا اتباع انسانی عقل کے لئے اپنے کشتافات میں جن کی روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے ناممکن ہوگا۔ اور جب ایسا ہوگا تو اس منجمد قاعدہ کا مذہبی احترام دلو سے مفقود ہو جائیگا اور ایسے اصول و قواعد کی تلاش ہوگی جو ان جدید ترقیات اور کشفیات کے منافی نہیں ہیں۔“

علمائے پوروپ نے نہایت تحقیق اور تدقیق کے ساتھ انسان کا مطالعہ کیا ہے اور انہوں نے وہ طریقہ دریافت کر لیا ہے جس پر انسان کو سعادت و فلاح حاصل کرنی کی غرض سے چلنا ضروری ہے۔ ان کو معلوم ہوا ہے کہ انسان صرف اسی وقت اپنا وہ اہم فرض ادا کر سکتا ہے جس کو اس قدر سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام حیوان اور تو کو جو خدا اوس کو عطا فرمائی ہیں کام میں لاوے اور اپنی کسی فطری خصلت اور غلبت کو قتل نہ کرے۔ اسکے بعد انہوں نے گذشتہ زمانہ پر نظر کی، ان کو معلوم ہوا کہ جس چیز نے انسان کو اس رفیع ترین مقام پر پہنچنے سے باز رکھا ہے جو قدرت نے اسکے لئے تمایا کیا ہے وہ ان لوگوں کے احکام کی فرمانبرداری ہے جو روحانی رؤساء اور مذہبی پیشرو ہونے کے

مدعی تھے۔ علمائے یورپ نے ان لوگوں پر سخت طعن و تشنیع کی ہے اور انکی تعلیمات کو انسانی تنزل کا موجب ٹھہرایا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ ویرش نے مذہب کی نسبت تسخر کے لہجہ میں لکھا ہے کہ ”مذہبی فضیلت اور بالخصوص اعلیٰ درجہ کی فضیلت جو ادبیارسم کے ساتھ مختص ہے یہ ہے کہ تم سیاسی اور تمدنی زندگی کو خیر باد کہو اور تمام دنیوی کاروبار کو مثل ایک لغو اور باطل چیز کے ترک کرو۔ تاکہ تمہارے لئے یہ امر ممکن ہو کہ تم بچ و غم اور شکستہ دلی کے ساتھ جنت کے انتظار میں سو کتے رہو۔ اور اپنی تمام طبعی خصلتوں اور زہنیہ کو قتل کر ڈالو اور اپنے نفس کو مٹا دو“ علمائے یورپ کی رائے ہے (جس کی حسی دلیل انکے سامنے موجود ہے) کہ انسان کی ترقی علم کی ترقی اور اُسکے نشو و نما پر منحصر ہے اور علم کی ترقی اور اُس کا نشو و نما اس بات پر موقوف ہے کہ عقل کو اسکی مسیود سے آزاد کیا جائے اور علمی مباحث کے لئے کسی قسم کی کوئی مزاحمت اور روک ٹوک باقی نہ رہے تاکہ اس مزاحمت سے وہ بدترین نتائج پیدا نہوں جو قدیم زمانوں میں علمی اور مذہبی گروہوں کے باہمی جدال و قتال سے پیدا ہوئے تھے۔ سیو بلاک (Block) کثات کہ ”قوت فکری کی ترقی اور کائنات کی چیزوں کی نسبت سمیت کے ساتھ حکم لگانا علم کی نشو و نما پر منحصر ہے۔ ہم اپنی معلومات کی ترقی اور اشیاء کی نسبت نہایت تدقیق کے غور و فکر کرنے کے ذریعہ سے ایسے تلخ پرپو پٹھے میں جنہوں نے ہماری اکثر سابقہ گراہیوں کو مٹا دیا ہے۔

علمائے یورپ کا اعتقاد ہے کہ عقل اور علم کی آزادی پر انسان کی مادی اور دینی سعادت و فلاح کا انحصار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب قدیم زمانہ کی تاریخ لکھتے ہیں تو بید غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں۔ اسکے متعلق علامہ لاروس کے اقوال میں سے

ہم ایک چوڑا سا ٹکڑا نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ ”جب کہ ہم کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ ہم معقول چیزوں کا اعتقاد رکھیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، پر وہ انسانی عقل کے مطیع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو عدل و ظلم اور خیر و شر کے درمیان تمیز کرنا دعویٰ کرتی ہے۔ اور جبکہ وہ عقل اور بصیرت کو اس قدر اندھا کر دیتے ہیں کہ کرامات اور خوارق عادات اسکو بالکل معمولی اور عادی امور معلوم ہوتے ہیں اور وہ سفید کو سیاہ اور بدی کو نیکی سمجھنے لگتی ہے تو مذہب اگر لکھتا ہے کہ اطاعت کرو۔ کس کی اطاعت کریں؟ آیا عقل کی اطاعت کریں؟ اپنے خیال فراغ کی؟ دلی احساسات کی؟ حقیقی قوانین فطرت کی جو انسان کے لئے مفید ہیں؟ ہرگز نہیں۔ مگر تم اندھے بنکر اس شخص کی اطاعت کرو جو خدا کے نام سے حکم دیتا ہے اگرچہ وہ بادشاہ کے قتل کرنے یا بابائے مارڈوانے کا حکم دے یا ایک قتل عام برپا کرنے پر آمادہ کرے۔ کیونکہ تجھ میں نہ روح ہے اور نہ ضمیر۔ بلکہ تو خدا میں فنا ہو چکا ہے۔“

موجودہ مذاہب کی نسبت علمائے یورپ کی مخالفت اور عداوت اس درجہ تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ انہوں نے دین کو اس خیال سے بالکل چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے علوم و فنون کو باعث انسان اور کائنات کو پیدا کرنے والے کے سامنے گردن جھکانے سے بالکل مستعنی ہو گئے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ اہل مذاہب کے ساتھ اس امر کا اقرار کرتے اور علنی مباحث سے استدلال کر کے اسکو ثابت کرتے ہیں کہ مذہبی احساس نفس انسانی میں ایک فطری اور خلقی امر ہے جو اپنی وضاحت اور تاثر کے لحاظ سے اس احساس سے ہرگز کم نہیں ہے جو انسان کو خدا کی ضرورت کا ہوتا ہے۔ علامہ جیزلر (Gessler) جو جرمن کا ایک مشہور

فلاسفہ ہے اپنی کتاب تباہی الاعتقادات میں لکھتا ہے کہ ”مذہب مثل اس احساس کے جسکا وہ نتیجہ ہم ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ مگر مذہبی علوم مثل دیگر علوم و فنون کے ہیں جو رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کرتے جاتے ہیں، ماحقد کہ انسانی عقل ترقی کرتی ہے۔ اور ایسا ہی تعلق ہمیشہ حقوق اور علم قوانین کے درمیان موجود رہتا ہے۔ حقوق میں تغیر تبدیل نہیں ہوتا مگر علم قانون میں ہمیشہ تغیر ہوتا رہتا ہے اور اسکی اصلاح ہوتی جاتی ہے۔“

مسیو ارنسٹ رینان (M. Ernest Renan) اپنی کتاب تباہی الاعتقادات

میں لکھتا ہے کہ ”ممکن ہے کہ وہ تمام چیزیں جسے ہم کو محبت ہے اور جن پر ہماری زندگی اور ہمارا عیش و آرام منحصر ہے معدوم ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ عقل کی آزادی اور صحت و حرکت کی آزادی باطل ہو جائے لیکن یہ امر محض ناممکن ہے کہ تہذیب جو انسان کی فطری خصلت ہے دنیا سے معدوم ہو جائے بلکہ وہ ابداً آباد تک باقی رہے گی اور مادی مذہب کے بطلان پر ایک ناطق دلیل ہوگی جو انسانی فکر کو جسمانی زندگی کی شرمناک تنگیوں میں محصور رکھنا چاہتا ہے“

غرض کہ متقدم علماء یورپ کے ایک گروہ کثیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کے نفس سے تہذیب کی فطری خصلت کا زائل ہونا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ الفت اور نفرت کی خصلت کا زائل ہونا۔ لیکن تاہم یہ بھی انکے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ مذاہب میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو موجودہ اور آئندہ تمام انسانی گروہوں کا عام مذہب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ کیونکہ انکے خیال کے مطابق ان تمام مذاہب کے اصول علمی قواعد پر منطبق نہیں ہیں۔ بلکہ اکثر مذہبی نصوص عقلی بدیہات کے برخلاف ہیں۔ اور اسے اکثر امور کو ایسے طور پر مفید کیا ہے جو انسانی

خیالات اور اوراکات کی مجموعہ آزادی کے منافی ہیں۔ اسیوجہ سے یورپ کا ایک فلاسفر
 کہتا ہے کہ ”مذہب دنیا سے نیست و نابود ہونیوالا نہیں ہے اگر اُسکے اصول و قواعد
 حدود و اُستید سے آزاد ہوں جیسا کہ انسان کو غیر تنہا ہی مدارج تک ترقی کرنیکی آزادی
 حاصل ہے“ اور نیز اسیوجہ سے بعض علمائے یورپ کا قول ہے کہ ”موجودہ مذہب
 میں سے اگر کوئی مذہب اُس دینی احساس میں جو انسان کی جبلت میں فطری طور پر راسخ
 ہے اور زندگی کے مطالب اور فرائض میں اتفاق اور امتلاف پیدا کر سکتا ہے اور اُس
 مقام تک ہمارا ساتھ دیکتا ہے جہاں تک ہمکو علمی مباحث نے پہنچایا ہے تو ہم کو قطعی
 طور پر اُسکا اعتراف کرنا لازم آتا ہے“ لاروس مذہبی نظامات کی نسبت طعن کرنے کے
 بعد لکھتا ہے کہ ”جو چیز انسان کو اپنے فرائض کے ادا کرنے پر آمادہ کرتی ہے وہ مذہب
 نہیں ہے بلکہ وہ عام خیال اور قوت طبعیت اور نیز وہ احساسات میں جنکی نشو و نما
 سوسائٹی اور خاندان کے درمیان ہوتی ہے۔ جسقدر کہ معلومات اور تمدن کا دائرہ
 وسیع ہوتا جاتا ہے اُسقدر یہ عام خیال ہی اپنی موجودہ سطح سے اونچا ہوتا جاتا ہے۔
 اگر آپ مذہب کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ ایسے عمدہ خیالات کا مجموعہ ہے جو تمام انسانی
 افراد کو ایک ایسی سوسائٹی میں مربوط کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جسکی افراد مادی فوائد
 سے متمتع اور روشن خیال ہوں تو بیشک اس صورت میں آپ کا یہ قول بالکل صحیح ہوگا
 کہ مذہب نوع انسان کے لئے ایک ضروری اور لابدی چیز ہے“

یہ امر کہ انسانی عقل خواہ ترقی کے کسی درجہ پر پہنچ جائے مگر وہ بغیر مذہب کے
 زندہ نہیں رہ سکتی، اسکی محسوس دلیل یہ ہے کہ علمائے یورپ کے ایک جم غفیر نے
 ایک مذہب تصنیف کیا ہے جسکا نام انہوں نے ”مذہب طبعی“ رکھا ہے۔ اس جدید مذہب کے

ایسے اصول و قواعد مقرر کئے گئے ہیں جو حقیقی برائین اور خستی اور عیانی دلائل سے ثابت ہو چکے ہیں۔ آگے چلکر جہاں ہم اسلام کے اصول کی نسبت گفتگو کریں گے وہاں اس جدید مذہب کے اہم اصول بھی نقل کر دیں گے تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے مذہب میں کسی قسم کی بحث و گفتگو کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔

”افغیر دین اللہ
بیغون ولہ اسلام
من فی السموات والارض
طوعا و کرہا والید حیو“

”کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوائے
(کسی اور دین) کے تلاش میں ہیں حالانکہ
جو فرشتے آسمانوں (میں ہیں) اور جو
لوگ (زمین میں ہیں) چاروں اطراف سے
حکم بردار ہیں اور اس کی طرف سب کو ٹکڑے
جانا ہے۔“

ماہوالاسلام

اسلام کیا چیز ہے

کونسا مبلغ ہے جو اسلام کی نسبت لکھنا چاہے اور اس مقصد عالی کو پورے طور پر بیان کرے قاصر ہونیکا اقرار نہ کرے۔

اور کونسا حکیم ہے جو اس مذہب کے حقائق و وقایق اور اس کی عجیب و غریب حکمتوں کی تفصیل کرنا چاہے اور اس کو اپنے عجز و قصور کا اعتراف نہ کرنا پڑے۔

”وَلَوْ أَنَّمَا فِی الْأَرْضِ
”اور زمین میں جس قدر درخت ہیں اگر

مِنْ شَجَرَةٍ
أَقْلَامُ وَالْبَحْرِ
يَمْدُ مِنْ
بَعْدِ سَبْعَةِ
أَبْحَى مَا فَتَدَتْ
كَلِمَاتُ اللَّهِ

(اُن سب کے) قلم ہوں اور سمندر کی (سیا ہی
اور وہ بھی اسطرچہ کہ اُس کے
(ہو چکے) پیچھے (ایسے ہی) سات سمندر
(اور) اسکی مدد کریں (غرض ان تمام قلوب اور ان
سیاہیوں سے خدا کی باتیں لکھی جاویں تو یہی) تو خدا کی
باتیں تمام ہوں۔“

کس قدر عمیق علم اور بلند طبیعت اور وسیع معلومات کے ساتھ انسان کو متصف
ہونا ضروری ہے تاکہ ان ازلی وابدی نوامیس کا سمجھنا اور سمجھانا ممکن ہو جنہیں صدیاں کی صدیاں
اور قرن کے قرن گزرتے چلے جاتے ہیں اور وہ اپنی پہلی ہی حالت پر قائم ہیں۔ جتنقدر
زمانہ گزرتا جاتا ہے، انکی رونق شباب بڑھتی جاتی ہے اور ہر قرن جدت کے ایک
زریں چادر اُن پر اضافہ کر دیتا ہے، انکی باہیت اور حقیقت کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں
جنکی بصیرت کو خداوند تعالیٰ نور عرفان سے روشن کرتا اور جنکے آسمان فکر پر آفتاب علم
پر نور افگن ہوتا ہے۔

”وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا
لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا
إِلَّا الْعَالَمُونَ“

”اور ہم یہ (چند) مثالیں لوگوں کے
(سمجھانے کے) لئے بیان فرماتے ہیں
اور سمجھ داری انکو بہتے ہیں۔“

میں نہایت آزادی استقلال کے ساتھ کتابوں اور علم و عقل دونوں میرے
دعوے کی تائید کرتے ہیں کہ اسلام ہی وہ اعلیٰ ترین کمال ہے جسپر ترقی کرنے کے
لئے انسان پیدا کیا گیا ہے اور جو انسان ترقی کے مراتب میں انتہائی مرتبہ ہے۔ اور

جس کی تلاش اور جستجو کی رغبت انسان کی فطرت میں غلطی طور پر رکھی گئی ہو۔ بلکہ سلام ہی انسانی نفس کی اتہائی تناسخ کی تلاش جو کج طوفان کا ایک ایسا فطری میلان ہے جو نہایت عظیم الشان غرض و فائیت اور نسیح ترمین نقطہ کمال کی طرف ہو سکتا ہے۔ اور وہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں اُس عزیز الوجود اور نادر المثال چیز کی تلاش میں (جس کے حصول سے ہر غم سے راحت اور تمام امیدوں اور خواہشوں میں قناعت میسر ہو جاتی ہے) کوشش کرتا رہا ہے۔

غرض اسلام ہی وہ انتہائے کمال ہے جس کی جستجو میں بڑے بڑے حکما چل بسے اور جس کی حقیقت کے دریافت کرنے میں علمائے اپنی عزیز عریض صرف کر دی ہیں۔ اسلام ہی وہ قانون محکم اور ناموس اعظم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس نوع ضعیف (انسان) کو عطا فرمایا ہے تاکہ اُس کے ذریعہ سے انسان کی دینی اور دنیوی دونوں حالتیں بہت ہو کر سعادت دارین حاصل ہو۔ اور ہر قسم کی مصائب اور شدائد میں انسان اُس پر پروردگار اُسی کی طرف رجوع کرے۔ خداوند تعالیٰ نے نوع انسان کو یہ دو زمانہ کا ترلج اور تمام ادنیٰ سابقہ کا ختم کرنے والا ہے اسوقت عطا فرمایا جبکہ اُس میں عقل کا نشوونما درج تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ تاکہ وہ خدا کی طرف سے اُس کے بند و پیچمت ہو۔ جو مدد اور حق کو ظاہر کر نیوالی ہو اور ہکو ہدایت کی شاہ راہ کی طرف رہنمائی کرنے والی ہو۔ اور تاکہ انسان کو عقل کی تکمیل کے بعد نہ اُس سے انکار کرنے کا کوئی حیلہ اور نہ اُسکی تردید کر نیکی طاقت باقی رہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے علوم طبعی نے (بغیر سہبات کو کہ علماء طبعیات کو اسکا علم ہو) خدمت کی ہے۔ حتیٰ کہ موجودہ صدی میں مذہب اسلام کے نصوص آفتاب سے زیادہ روشن اور واضح ہو گئی ہیں اور جس طرح سورج کی کرنیں پانی میں سمایت کر جاتی ہیں اُس سے زیادہ آسانی کے ساتھ وہ نصوص عقل میں نفوذ کر جاتی ہیں۔ کوئی قاعدہ جو تجربوں سے ثابت ہوا ہو

اور کوئی نظریہ جو حواس کی بددستی ثابت ہوا ہو ایسا نہیں پایا جاتا جو انسانی تہذیب و شائستگی کی ترقی میں موثر ہو اور وہ کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی کی صلیح بارگشت نہ ہو حتیٰ کہ دیکھنے والیکو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمائے روئے زمین کی طرف سے جسدہ کوشش اور سرگرمی انسانیت کی شان کی ترقی دینے میں ظاہر ہو رہی ہے اسکا مقصود صرف یہی ہے کہ مذہب اسلام کے قواعد کی صحت اور صلاحت پر دلائل قائم کرے جو ایں۔

”سنو یمھد آیا تانی الاغانی فی النفس حتی یتین لھما انہ الحن اولھما یکن بربا انہ علی کل شئ ع شھید“
 ”عقرب ہم ان لوگوں کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں (دنیا کے) اطراف میں (بھی) دکھائیے اور ان کے پڑوسیوں میں (بھی) یہاں تک پھیلے
 ظاہر ہو جائیگا کہ یہ (قرآن) برحق ہے (اور پیغمبر ایک تمہاری شئی کی یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا شاہد حال ہے۔

ہمارے گذشتہ بیان کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی وسیلہ اور کسی طریقہ کے ساتھ اسلام کی موجودگی کی روانی کو روکا نہ ہو کہ ممکن نہیں ہے۔ اور جس طرح انسانی شائستگی اور نفسانی ترقیات کو روکنا اور علمی اور عملی مسائل کو جو اب تک دریافت ہو چکے ہیں نیست و نابود کر کے نوع انسان کو اسکی ابتدائی وحشت اور جہالت کی طرف پس لوٹانا محال ہے بلاشبہ اسی طرح اسلام کو روکنا ناممکن ہے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جس پر تمام انسان اور جنات بھی قائل نہیں ہو سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔

”یریدون لیطفوا اور اللہ“ ”(یہ لوگ) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو
 دے انھیں دیکھ لیں اللہ ان اپنے مومنہ سے (پیونک مار کر) بھاد
 اور اللہ تو اپنے نور کو (کامل طور پر) پسلا کر
 رہیگا“

اب ہم خدا کی تائید اور اسکی توفیق پر ہر دوسرے کے اپنا مقصود شروع کرتے کرتے ہیں۔ ہمارا دعوے جسکو ہم اس کتاب میں ثابت کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ وہ تمام

اصول اور قواعد جو جدید شائستگی کی بنیاد ہیں، ان کو مذہب اسلام کے قواعد کے ساتھ وہی نسبت ہے جو شعاع کو سورج سے اور سمندر کو قطرہ سے ہوتی ہے۔ اسکے ثبوت کا سب سے زیادہ آسان طریقہ یہ ہے کہ اول ہم جدید شائستگی کے اہم اصول لکھتے ہیں اور اسکے بعد نہایت صاف اور واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ وہ منجملہ اسلامی اصول کے ہیں۔

ماہوالدین؟

دین کیا چیز ہے

دین کا لفظ مثل اپنے مصداق کے نہایت قدیم اور تمام انسانی گروہوں میں خواہ وہ وحشی اور جاہل ہوں یا مذہب اور شائستہ ہوں شائع اور ذائع ہے۔ لیکن اس لفظ کا حقیقی مصداق جو آسمانی شریعتوں نے بیان کیا ہے اور جو خالق کی وسیع رحمت اور لازوال عنایت پر پوری طرح مطبق ہے انکو معلوم نہیں ہوا۔ جو شخص تاریخ کو بنظر تعمق مطالعہ کرے گا اسکو معلوم ہو گا کہ مختلف قوموں نے اس لفظ کے معنوں کے سمجھ میں ہیشمار رنگ بدلے ہیں جو انسانی عقل کے لئے معقولات کے سمجھنے میں ایک لازمی امر ہے۔

نہایت قدیم زمانے میں مذہب صرف چند عام جلسوں کا مجموعہ خیال کیا جاتا تھا جن میں معبود کی رضا جوئی اور انکے غیظ و غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے حیوانات یا اسیران جنگ کی قربانی کی جاتی تھی۔ مگر جب انسانی ادراکات کی ترقی اور علوم و فنون کی آبیاری سے عقلی قوت کی نشو و نما ہوئی تو اس لفظ کے معنوں میں بھی بتدریج وضاحت ہونے لگی اور رفتہ رفتہ ان معنوں کے قریب پہنچ گیا جیسا کہ آسمانی مذاہب کا حکم ہے۔

قبل اسکے کہ ہم اس امر کی نسبت گفتگو کریں کہ اسلام میں لفظ دین کے کیا معنی مراد ہیں ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں یورپ کے علماء اس لفظ سے کیا مراد سمجھتے ہیں۔ اور علوم و فنون کے سمندر کو عبور کرنے اور قوانین قدرت اور فرائض فطرت کے سراغ لگانے کے بعد

اس لفظ کے کیا معنی سمجھتے ہیں تاکہ وہ ہمارے اس نظریہ (Theory) کی تائید میں ایک محسوس دلیل ہو کہ حقائق کے سمجھنے میں عالم جب قدر ترقی کر رہا ہے ہنسیفہ اسلام سے قریب تر پہنچتا جاتا ہے۔ یورپ کے علماء ان تمام مرحلوں کے طے کر کے بعد جو ان لوگوں کو پیش آتے ہیں جو علمی فتنوں میں مبتلا ہوتے ہیں اب اطمینان کیساتھ بیٹھے ہیں اور علوم و فنون کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا ہے۔ پس انہوں نے دلائل کی بنا پر اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اس عالم کے لئے ایک خالق ہے جو حکمت اور قدرت والا ہے اور تمام صفات کمال کے ساتھ متصف اور ہر قسم کے عیوب اور نقائص سے منزہ اور مقدس ہے۔ اسے عالم کو ایک خاص نظام کے مطابق پیدا کیا ہے جو شخص اُسکو تدبیر کے ساتھ مطالعہ کرے گا وہ خالق کی ان اعلیٰ صفات کو عیانی طور پر مشاہدہ کر سکے گا اور اس طرح وہ ایسی باتیں سیکھ سکتا ہے جن کے مطابق عمل کرنے سے اُن ہر فرد کو اعداد اور تعلیمات سے مستغنی ہو جائے جو لوگوں کے سامنے بیان کیجاتی ہیں اور وہ بڑے ادب کے ساتھ ان کو اپنے سروپر رکھتے ہیں۔ لیکن نہ اُن کی حکمت کو سمجھتے ہیں نہ اُن کے نتائج سے واقف ہوتے ہیں۔ اسکے بعد علماء یورپ نے نظام عالم اور تواریخ فطرت کا ہتھکڑا کر کے یہ رائے قائم کی کہ خالق عالم اپنی مخلوقات میں سے جس کو اُس نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے کسی چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُسکی ذات تمام ماسومی سے معنی ہے۔ اسکے بعد وہ اس بات کے قائل ہوئے کہ اُسکا مخلوقات سے مستغنی ہونا مخلوقات کے اہتمام و انصرام کرنے سے منع نہیں ہے، جو اُسکی وسیع رحمت اور عظیم الشان کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ کائنات پر ایک سرسری نظر ڈالو تو اس نظریہ کی صداقت عیانی طور پر مشاہدہ کی جاسکتی ہے۔

ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک مختلف قسم کے نباتات اور حیوانات کی حالت پر غور کرو، خدا کی عظیم نشانِ رحمت اور رافت کے آثار عیانی طور پر نظر آئیں گے، جو اس کی محبت پر انسان کو مجبور کرینگے۔ اُسے کائنات کو وہ تمام ضروری چیزیں عطا فرمائی ہیں جن سے وہ اپنی زندگی کی حفاظت کر سکتی اور اپنی تمام تکلیفات اور ناگہانی حادثات کو دفع کر سکتی ہیں۔ اس کلیہ سے صرف وہی صورتیں مستثنیٰ معلوم ہوں گی جن کو نظامِ عالم مستثنیٰ ہے اور جنکے ہونے میں بحیثیت مجموعی تمام عالم کے لئے اعلیٰ درجہ کی رحمت اور رافت ہی پس جس خدا کی یہ شان ہے وہ انسان کو لایعنی اور بے نتیجہ عبادت پر مجبور نہیں کر سکتا بلکہ وہ انسان کو صرف اسی عبادت کا حکم دیگا جس میں حکمت بالغہ اور عبادت کرنے والے شخص اور اس کی نوع اور تمام اجزائے طبیعت کو عظیم الشان فوائد حاصل ہوں۔

کیونکہ تمام اقسام کائنات پر غور کرنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خالقِ عالم نے انکو اسلئے نہیں پیدا کیا کہ وہ انکو فاسد اور نیست و نابود کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ وہ انکی اصلاح اور انکا باقی رہنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اسنے ہر ایک چیز میں اُس حد تک جو اسکے لئے تمیز ہے ترقی کرنے کی قابلیت عطا فرمائی ہے۔ چونکہ انسان کائنات کی دیگر چیزوں کی نسبت کسی لحاظ سے کم نہیں بلکہ وہ خلاصہ کائنات اور اشرف المخلوقات ہے اسلئے وہ درجہ بدرجہ ترقی کے اصول کا سب سے زیادہ نالاج ہو گا اور تدریجی ترقی قبول کرنے کے مستعد اس میں سب سے زیادہ ہوگی۔

یہ امر واقعی ہے۔ کیونکہ جو شخص اُس ترقی کی نسبت غور کرے گا، جو انسان نے ابتدا سے آفرینش سے ہوتے تک کی ہے، تو اُسکو محقق طور پر معلوم ہو جائیگا کہ خالقِ عالم نے محسوس ایسی خصوصیتیں عطا فرمائی ہیں، جن کی وجہ سے اُسکی ترقی اُس حد تک جاری رہ سکتی ہے،

جو انسان کے خیال سے اس وقت تک باہر ہے۔ علمائے یورپ کہتے ہیں کہ چونکہ خدا کے افعال عبث اور متناقض ہونے کے عیب سے منزہ ہیں، اسلئے وہ عبادت، جو خدا کو بخوبی ہونی چاہئے، وہ ان قوانین فطرت کے مطابق ہو، جو کائنات پر مسلط ہیں۔ اور ان زعمیات اور احساسات کے مناسب ہو، جو انسان کی جبلت میں پیدا کئے گئے ہیں۔ ان علمی برہنوں کی بنا پر جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا علمائے یورپ کے ایک گروہ کثیر نے اپنا طبعی مذہب ایجاد کیا ہے۔ اس موضوع میں مشہور فلاسفر چارلس سیمون (Charles Simon) نے جو اس جدید مذہب کا سرگرم ممبر اور معادن ہے لکھا ہے کہ ”ہم اس زندگی میں وہ فرض ادا کرتے ہیں جو خدا نے اپنی عنایت سے ہمارے لئے قرار دیا اور جب ہماری زندگی ختم ہو جائیگی تو جزا و سزا اور ثواب و عقاب کا اُسکو اختیار ہے“ اس کے بعد اسے ثواب اور عقاب کے اسباب کو بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتا ہے ”جو چیز انسان کے لئے باعث ثواب ہو سکتی ہے وہ اپنی خاص قوتوں کی اطاعت اور نیک کام کرنا ہے۔ انسان کا خاص قانون یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی حفاظت کرے اور ان قوتوں کو ترقی دینے کی کوشش کرتا رہے جو اس میں ودیعت کی گئی ہیں، اپنے بہائیوں سے محبت اور انکی خدمت کرے، خالق کے ساتھ محبت اور اُسکی عبادت کرے۔ لیکن وہ کیا طریقہ ہی جسکے مطابق انسان کو اپنے خالق کی عبادت کرنا چاہئے؟ بیشک فرائض کا ادا کرنا اور نیک کام میں عبادت ہے۔ اور محبت اور اخلاص عین نماز ہے۔ اپنی وطن کی اخلاص کو ساتھ خدمت کرنا خدا کی عبادت ہے۔ یہی طبعی مذہب اور یہی طبعی عبادت ہے۔ ہمارے مذہب کے تمام اصول بالکل واضح ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے۔ اُسکے اصول یہ ہیں کہ ایسے خالق کے وجود کا اعتقاد رکھنا جو ہر چیز پر قادر ہے اور جسکو کوئی چیز متغیر نہیں

کر سکتی۔ اُسے تمام عالم کو پیدا کیا ہے اور عام اور مطر و قوانین اُس پر مسلط کئے ہیں۔ دنیوی زندگی کے بعد آخری زندگی ہوگی جس میں انسان کو اپنی نیکیوں اور بدیوں کا پورا بدلہ ملے گا۔ یہ ہمارا اعتقاد ہے۔ اور ہماری نماز یہ ہے کہ ہمارا دل خدا کی محبت اور نیز انسان کی محبت سے بھر پور ہو۔ اور فرائض کے ادا کرنے میں ہمارا ارادہ مستحکم ہو اور بھلائی اور خیر کے کرنے میں ہم خدا کی مرضی کے تابع رہیں۔

اس مقام پر ہم صرف اس قدر اور بیان کرتے ہیں کہ اس جدید مذہب کے پیروہ جسمانی عبادت کو ناپسند نہیں کرتے جیسا کہ چارلس سیمن کے دیگر اقوال سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ ایسی جسمانی عبادت اور کرنے کے لئے جمع نہیں ہوتے جس میں کوئی اخلاقی یا روحانی فائدہ ملحوظ نہ ہو۔ ان کے نزدیک عبادت ایسی نہونی چاہئے جس کی کوئی غرض و غایت نہ ہو بلکہ وہ دلچسپی نہ رکھنے اور انکو پاک کر نیکا ذریعہ ہونا چاہئے۔ علامہ کن (Shankar) جو ایک مشہور فلاسفہ تھے کہتے تھے کہ خارجی عبادت صرف اسی وقت ناپسندیدہ ہوتی ہے جبکہ وہ مقصود بالذات ہو۔ لیکن اگر وہ انسانی نفس کے شرفیافہ احساسات کو بیدار کر سنے اور انکو تقویت دینے کا ذریعہ ہو تو اُسکے مفید ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔

ان تمام مذکورہ بالا اقوال سے ہم چار اہم امور انتخاب کرتے ہیں۔ (۱) اول اس امر کا اعتقاد رکھنا کہ خدا ہم سے اور ہمارے اعمال سے مستفی ہے۔ ہم جس قدر نیک کام کرتے ہیں ان میں خاص ہماری منفعت ہے۔ (۲) خدا انسان پر رحم اور اُس کی صلاح و فلاح کا خواستگار ہے اور اُسکو عبادت کی تکلیف صرف اُسی کے فائدے کی غرض سے دیتا ہے۔ (۳) عبادت زندگی کے اصول فطرت پر منطبق اور انسانی طبیعت کے موافق ہونی چاہئے۔ نیز کہ وہ انسانی طبیعت کے خلاف اور اُسکی بربادی کا باعث

ہو۔ (۴) جسمانی عبادت نفس کے پاک کرنا ذریعہ ہونا چاہئے نہ یہ کہ وہ مقصود بالذات ہو یہ چاروں امور ایسے ہیں جن تک انسانی عقل کی رسائی اُسوقت ہوئی ہے جبکہ گروہ زمین پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو گئے ہیں اور جن پر انیسویں صدی کے علما فخر کرتے ہیں مگر وہ مذہب اسلام کے آفتاب کی ایک شعاع اور اُس کے بحر زخار کا ایک قطرہ ہے۔ مزید توضیح کی غرض سے ہم وہ نصوص بت ترتیب نقل کرتے ہیں جو ان چاروں اُمور پر منطبق ہیں۔

(۱) خدا فرماتا ہے۔

”من جاهد فانما يجاهد
لنفسه ان الله يفتن عن
العالمين۔“

”جو کوشش کرتا ہے صرف اپنے نفس کیلئے
کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ تمام عالم سے
ستفغی ہے۔“

(۲) خدا نے فرمایا ہے ”یريد الله
بكم اليسر ولا يريد بكم
العسر۔“

”اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی
چاہتا ہے سختی کا ارادہ نہیں رکھتا۔“

اور فرمایا ہے ”ما يريد الله ليحجل
عليكم من حرج ولين
يريد ليطمحكم وليتغنمته
عليكم ولعلكم
تشكرون۔“

”اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ
شکل رکھو، مگر یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک
کرے اور تم پر اپنا پورا احسان
کرے۔ شاید تم شکر
کرو۔“

(۳) خدا نے فرمایا ہے ”لا يكلف
الله نفساً الا وسعها۔“

”اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی قوت سے
زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔“

”اور اگر ہم انکو حکم دیتے کہ اپنی جانوں کو
ہلاک کر دیا اپنے گمروں میں سے نکل
جاؤ، تو بہت کم تھے جو ایسا
کرتے“

”خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف
کرے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا
ہے“

”جسکی نماز فحشاء و بربرائیوں سے خالی ہو وہ
خدا سے بعد ہی
بڑا قی ہے“

”بہت روزہ رکھنے والے ہیں
کہ انکو روزہ سے بجز بہوک اور پیاس
کے کچھ حاصل نہیں ہوتا“

مذہب کے سمجھنے میں ہمارا یہی عقیدہ ہے۔ اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ عقیدہ
علم اور عقل کے ساتھ بالکل مطابق اور قوانین فطرت کے ساتھ پوری طرح موافق ہے
چونکہ علمائے یورپ کے مطاعن اکثر مذاہب کی نسبت صرف انہیں بنیادی اصول پر
دارد ہوتے ہیں اسلئے ہم کو حق حاصل ہے کہ ہم پکار کر اعلان کر دیں کہ اسلام کی شان
اس سے نہایت ارفع و اعلیٰ ہے کہ علماء کا کوئی طعن اسکی طرف قائم نہ ہو سکے۔

اور فرمایا ہے ”ولو ان اکتبنا
عليهم ان اقتلوا الفسك
او اخر جوامين ديا ركم
ما فلو الا قليل منهم
اور فرمایا ہے ”يريد الله ان
يخفف عنكم وخلق الانسان
ضعيفا“

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
”من لم تنه صلوات
عن الفحشاء والمنكر
لديزد من الله لا جدا“۔
اور نیز فرمایا ہے ”كدم
صالح ليس له من صيام
الا الجوع والعطش“

ان چاروں امور کو اس جدید مذہب کے علمائے تمام قواعد کے بنیادی اصول
خیال کرتے ہیں جن پر عمل کرنے سے نوع انسان کی ترقی اُس حد تک ہو سکتی ہے جو
اُس کے لئے قدرت نے قرار دی ہے۔ چونکہ ان قواعد و نکتے انکشاف کا دار و مدار
صرف علم پر ہے اسلئے وہ ایسے ہر ایک قاعدے کو مثل مذہبی قواعد کے شمار کرتے
ہیں جس پر عمل کرنا خدا کی عبادت اور اُسکی رضا مندی کا موجب ہے۔

اس طبعی مذہب کے پیروان قدیم مذہبی روایات اور حکایات کو بالکل تسلیم نہیں
کرتے جنکو ہزاروں برس گزر چکے ہیں۔ علامہ کن

مذہب صرف ایسے قواعد پر مشتمل ہوتا ہے جن کی صداقت اور ضرورت پر ہمارا ذاتی
شعور شہادت دیتا ہے اور نیز وہ قدیم مذہبی روایات اور خرافات اور کاہنوں کی تعلیمات
سے پاک ہوتے ہیں۔ گویا کہ علامہ موصوف مسلمانوں کو قرآن مجید کی یہ آیت یاد دلاتا ہے

”تَلْهٰطًا تَدْخُلُتْ لَهَا مَاءٌ
كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ و
لَا تَسْأَلُون عَمَّا كَانُوا
يَعْمَلُونَ“

یہ گروہ گزر گئے اُسکے لئے وہ تھے جو اُس
نے حاصل کیا اور تمہارے لئے وہ ہے
جو تم حاصل کرو۔
اور تم سے سوال نہیں کیا جاوے گا کہ وہ کیا کرتے تھے

الناموس الاعظم للمدنیۃ

تمدن کا اصل مہول

جو شخص قوموں کی مفصل تاریخ پر جس میں انکے پیدا ہونے سے آج تک کے واقعات درج ہیں تدبر کے ساتھ غور کرے گا۔ اُسکو ایسی ہیبت ناک اور درد انگیز حادثات نظر آئیں گے جنہ انسان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اُسکو ہستیاں، خونریز لڑائیاں، تمدنی فتنہ و فساد، خاندانی مصائب اور اخلاقی مفاسد معلوم ہوں گے۔

بعض اشخاص اُسکو ایسے نظر آئیں گے جنکو اتفاقات وقت سے محض خیالی اور دہی رفعت اور برتری حاصل ہو گئی ہے اور انہوں نے دوسرے بندگان خدا کو اپنا غلام بنا لیا ہے اور اپنے حرص و طمع کے دوزخ شکم کو پر کرنے کے لئے ان عوام کو ناکا خون چوس رہے ہیں۔ غرض کہ اسی طرح انسان کی تاریخ ناکوار کردہ رتوں اور مصائب و آلام سے بھری ہوئی نظر آئیگی، جو ہمارے دل میں نوع انسانی کی طرف سے سخت کراہت پیدا کرے گی۔ لیکن اگر تم اپنی نظر کو ان دردناک مصائب و آلام کی سطح سے کسینقدرا اونچا کر دو گے اور نوع انسان کو دوسرے پہلو سے دیکھو گے تو تم کو معلوم ہوگا کہ یہ تمام حادثات اور واقعات ایک ایسے عظیم الشان اور استحکم قانون قدرت کو گرد و دوش کر رہے ہیں جو نوع انسان کو ان کڑی منزلوں اور سر توڑ گھاٹیوں سے نکال کر ترقی کی بلندی پر لیجا رہا ہے۔ اسکے بعد اگر تم اپنی نظر کو کسینقدرا اونچا کر دو گے

تو تمکو محقق طور پر ثابت ہو جائیگا کہ یہ تمام حادثات دوسرے درجے کے قوانین ہیں جو اس عظیم لٹائن قانون کے تابع ہیں جو اولاً تمہاری نظر سے گذرنا تھا اور نیز اس کے افعال و اثرات ہیں جو عالم پر اپنا اثر ڈالتے اور اس کے اجزاء کو ایک دوسرے کے ساتھ ملکراتے ہیں تاکہ ان میں سے بھی اخلاق کی جنابت اور اذہام کی نجاست دفع ہو۔ ممکن ہے کہ ہمتوار کی تہوڑی سی تکلیف گوارا کرنے سے تمکو ہمارے بیان کی صداقت معلوم ہو جائے۔ کیونکہ اگر تم کسی اہم حادثہ کی نسبت غور کرو گے جو کسی تاریخی زمانہ میں نوع انسان پر نازل ہوا ہو تو تمکو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ اُس سے اسقدر فائدہ حاصل ہوا ہے جسکے مقابلہ میں اسکی مصیبتیں اور تکالیف ہیچ ہیں۔

اس مختصر کتاب میں ہم تاریخی واقعات اور انکے نتائج سے بحث نہیں کر سکتے کہ انہوں نے کس طرح انسان کو وحشت اور جہالت کی تاریکی سے نکال کر تہذیب اور شائستگی کی روشنی میں پہنچایا ہے۔ کیونکہ یہ امر موجب تطویل ہو گا۔ مگر ہم اس تمدنی جہاد کے اصل و اصول کی نسبت بالا بحال گفتگو کرتے ہیں تاکہ ہماری اس بحث میں آسانی ہو اور تمدنی اہم مسائل ہماری آنکھوں کے سامنے روشن ہو جائیں اور حقائق مجسم ہو کر ہمارے سامنے آجائیں اور تطبیق زیادہ تر قابل اطمینان ہو۔

اس میں شک نہیں کہ شخصی زندگی کی قائم رکھنے والی چیزوں کے بعد جس اشد ضرورت کا شعور انسان کو ہوتا ہے وہ نوع انسان کے گروہ جمع ہو کر رہنے کی ضرورت ہے۔ انسان ذاتی طور پر بالکل آزاد ہے اور کوئی چیز اسکو مقید نہیں کر سکتی۔ اور دوسری حیثیت سے وہ اسقدر ضعیف اور عاجز ہے کہ اسکو اپنی زندگی کی حفاظت کرنے کی عرض سے اس آزادی کا ایک حصہ قربان کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ سے علمائے تمدن کا اتفاق ہے

کہ انسان اپنی طبیعت کے برخلاف اجتماع کے لئے مجبور ہے کیونکہ اسکی بغیر انسان کے زندگی ناممکن ہے اور وہ اُس سے کیوقت بھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔

وہ آزادی جسکا شعور انسان اپنے نفس میں پاتا ہے اور وہ احتیاج جو اسکو اپنے بنی نوع کی طرف ہے انہیں دونوں چیزوں کے باہمی فعل و انفعال سے وہ تمام فتنے اور جدال و قتال برپا ہوئے ہیں جو تواریخ و سیر سے ہمکو معلوم ہوتے ہیں۔ اور نیز نوع انسان کے افراد میں اپنی فطری تمنا کے حاصل کرنے کی غرض سے جو باہمی کسر و انحصار مبر ہا ہے اسکی بنیاد بھی یہی ہے۔ پس تمام تاریخی حادثات جو تمام قوموں میں قہر ہوئے ہیں محض آزادی کی تحدید پر جو نوع انسان کے مرتبہ کے لائق ہو اور اُس تسلط کی تحدید پر جو انسانی اجتماع کے مناسب ہو جی ہیں۔ اور اسوقت تک نوع انسان میں ان دونوں قاعدوں کے بین میں حد فاصل دریافت کرنے کی غرض سے سخت ہولناک مدافعت اور مخالفت کا سلسلہ جاری ہے۔ مگر آخر کی دو صدیوں کو نسبت قرونِ سابقہ کے یہ امتیاز حاصل ہوا ہے کہ اُن قیمتی جانوں کی بدولت جو یورپ کے ماسشقان آزادی نے قربان کی ہیں یہ محدث دل نہایت قریب آگئی ہے جس کی نظیر گذشتہ صدیوں میں ہرگز نہیں مل سکتی۔ علمائے تمدن کا قول ہے کہ ”وہ آزادی جو اس اخیر صدی میں یورپ میں نمودار حاصل ہوئی ہے وہ اُن تمام ترقیوں اور کامیابیوں کا باعث ہے جنکے آثار ہم یورپ میں نمایاں ہیں دیکھ رہے ہیں۔“

وہ کونسی آزادی ہے جسکے حاصل کرنے کی غرض سے یورپ نے نہایت جانباری کے ساتھ جہاد کیا ہے اور اپنی قیمتی جانیں نثار کی ہیں؟ کیا یہ آزادی ہم سے اس قدر دور ہے جیسے قدر زمین آسمان سے یا یورپ کی چستی مشرق کی سستی سے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ ہمارے

سامنے موجود ہے مگر ہم اُس سے غافل ہیں۔ بیشک وہ ہمارے سامنے موجود ہے اور اگر ہم چاہیں تو نہایت امن و اطمینان کے ساتھ اُس پر عمل کر سکتے ہیں اسکی تائید میں نہ ہم کو جان نثاری کی ضرورت نہ تکلیفات برداشت کرنے کی حاجت ہے۔ بلکہ وہ ازادی ہمارا دلوں میں محفوظ ہے اور سوائے اسکی حقیقت پر غور کرنے اور سمجھنے کے ہم کو کسی تکلیف کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم اُس پر غور کرنے کی تکلیف گوارا کریں تو ہم بہت تھوڑے عرصہ میں مغرب کے لگ بھگ پہنچ سکتے ہیں۔ بیشک وہ اُس وقت ہماری فوری ترقی کو دیکھ کر حیران رہ جائے جیسا کہ روم اور ایران کی سلطنتیں اُس انقلابات کو دیکھ کر حیران ہو گئی تھیں جو عرب میں چند سال کے عرصہ میں آغاز اسلام کے وقت ہوا تھا۔

وہ کونسی آزادی ہے جس کی نسبت میسود و یو کہتا ہے کہ ”آزادی دنیا کی ہر قسم کی سعادت و فلاح سے افضل ہے“ اور جسکی نسبت میب دیاپا کہتا ہے کہ ”آزادی ہر ایک انسانی ترقی کی اصل اصول ہے“۔ اور جس کی تعریف میں دیکٹر ہیگو

کہتا ہے کہ ”آزادی ایک ایسی ہوا ہے جو نفس انسانی کی زندگی کے لئے ایک ضروری چیز ہے“

کیا اس آزادی سے یہ مراد ہے کہ انسان تمام سیود اور ہر قسم کے روباہ سے آزاد ہو کر محض بے قید اور مطلق العنان ہو جائے؟ یہ آزادی حیوانات ہی کو مبارک رہے، ہم انکی اس حالت پر حسد نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ آزادی جسکے اشتیاق میں تمام قوموں نے فلاسفر بے چین ہیں وہ معتدل آزادی ہے جس کی بدولت انسان اپنی تمام قوتوں کو جو قدرت نے اُسکو عطا کی ہے بلا روک ٹوک اور بلا خوف و مزاحمت کے استعمال کر سکے۔ بشرطیکہ وہ ان حدود سے متجاوز نہ ہو جو عادلانہ قوانین نے قرار دی ہیں۔ کیونکہ ان حدود سے

تجاوز کرنا قوم کے دیگر افراد کو مضرب ہوگا۔

یہی وہ آزادی ہے جس کی تلاش اور جستجو میں عطا ہزاروں برسوں سے سرگرمی کے ساتھ
جہاد میں مصروف ہیں۔ اگرچہ بہ نسبت قدیم زمانہ کے اس وقت جہاد کی شکلوں اور صورتوں
میں تغیر واقع ہو گیا ہے۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں تلوار اور نیزہ کی باتیں قول فیصل سمجھی جاتی تھیں
قبل اسکے کہ ہم اسکو اسلامی قواعد کے ساتھ تطبیق دینے کی غرض سے آزادی کی نسبت
بحث و گفتگو کریں ہیکو اس جہاد کی نسبت بالاجمال گفتگو کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے
جو اس مقصد کے حاصل کرنے کی غرض سے نوع انسان ابتداء سے آفرینش سے ہوت
تک کر رہی ہے۔ تاکہ ہیکو اس مسئلہ کی تفصیلات پر اول سے آخر تک واقفیت
حاصل ہو اور ہم ان بنیادی اصول کیساتھ جنہر مذہب اور شائستہ قوموں کی آزادی
کا دار و مدار ہے استدل لال کر سکیں۔



جہادِ الانسان للنوالِ الحسریۃ

آزادی حاصل کرنے کے لئے انسانی جہاد

انسان فطری اور خلقی طور پر آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ اسکو آزادی کی طرف رہنمائی کرنیکے لئے کسی بادی اور محسوس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ انسان میں آزادی کا احساس مجملہ ان احساسات کے ہجھن کی سحت تاثیر خود بخود انسان پر پڑتی ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ کسی شخص کا وجدان اوہام اور خرافات یا دیگر اسباب سے ہقدر رنگ آلود ہو جائے کہ اس کی جو ہر بصیرت کی روشنی بالکل خاموش ہو جائے، جیسا کہ بعض قوموں کی حالت ہو چکی ہے۔ ایسی مستثنیٰ صورتیں خواہ انکی تعداد کتنی ہی ہو ہمارے اصول کلیہ کو نہیں توڑ سکتیں۔ چونکہ مطلقاً آزادی جیسی کہ حیوانات کو حاصل ہے انسان کی ان خصوصیتوں اور قوتوں کی تاثیرات کو باطل کر نیوالی ہے جن کی نشوونما اور تکمیل بغیر اجتماع کے ناممکن ہے۔ اسلئے انسان نے ان قوتوں سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے اپنی فطری آزادی کا ایک حصہ قربان کر دینا مناسب خیال کیا۔ اور اس طرح تسلط اور اسکے لوازمات کی بنیاد قائم ہوئی جو لمبا اوقات اسکو حد اعتدال سے آگے بڑھا دیتے ہیں۔ کیونکہ جو غلبتیں انسان کی جبلت میں ودیعت کی گئی ہیں مجملہ انکے یہ ہے کہ وہ دوسرے پر تسلط اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بعض اشخاص کو اپنی اس خواہش کے پورا کر نیکا مناسب موقع ملا اور انہوں نے تمام ممکن وسائل سے اسکے لئے کوششیں کیں۔

چونکہ تسلط حاصل کرنے کے وسائل صرف اُسی وقت کامیاب ہوتے ہیں جبکہ اُن کا
 رُخ انسان کے اس احساس کی طرف ہوتا ہے جو انسان پر سخت تسلط کرتا ہے۔ اسلئے قہراً
 وجہ موت کے دلدلوں نے دیکھا کہ انسان پر اثر ڈالنے کا سب سے زیادہ کامیاب
 طریقہ یہ ہے مذہبی حیثیت سے اُس پر اثر ڈالنا۔ اور اسی اصول پر عمل کرنے سے
 اکثر مذاہب میں تحریف و تبدیل واقع ہوئی اور لوگوں کے دلوں اور ان کی عقلوں کو قابو میں
 لانے کے لئے مذاہب کے اصلی نصوص میں تغیر تبدیل کیا گیا۔ یہ مذہبی دام فریب پسلا کر
 وائے بڑے خور کے ساتھ عقل کی نگرانی کرتے تھے۔ اور جب کبھی وہ اپنی مُملکت
 قید سے چھوٹنے کے لئے حرکت کرتی تھی تو یہ لوگ فوراً اُسکے سامنے مذہبی خرافات
 کی ایک سہ سکندری کھڑی کر دیتے تھے۔ جسکو دیکھ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے حیران
 اور مبہوت رہ جاتی تھی اور جب وہ اپنے سامنے کی شاہراہ مسدود دیکھ کر کمین و سیار کی طرف
 حرکت کرتی تھی تو یہ لوگ فوراً اُس حرکت کے کمزور کرنے یا اُسکے انتشار کو روکنے
 کے درپے ہوتے تھے۔ صدیوں تک یہی حالت رہی۔ مذہبی رُوسا کا بول بالا اور انکا
 حکم نافذ رہا۔ مگر جب دنیا کے اصول ترقی کی تاثر سے عام لوگوں کو مذہبی رُوسا کی غلامی
 کی قید سے کی قدر آزادی حاصل ہوئی تو اس وقت بجائے ایک کے دو تسلط ہو گئے
 ایک مذہبی اور دوسرا سیاسی۔ ان دونوں میں جس قدر ہولناک جنگ و جدل واقع
 ہوئے انکی تفصیل کے لئے ضخیم جلدیں ہی کافی نہیں ہو سکتیں۔ جسے کہ بعض قوموں کو
 (جو اس زمانہ میں ترقی یافتہ ہیں) مذہبی تسلط کی قید سے آزادی نصیب ہوئی اور سیاسی
 تسلط کا بار بھی کی قدر ہلکا ہوا۔ اس سے انکو نہایت خوشی حاصل ہوئی یورپ کے علماء
 اس عظیم الشان نعمت کی تعریف و توصیف میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں تالیف کرتے ہیں۔

اور تمام مذاہب پر طعن و تشنیع اور اعتراضات کی بہر مار کر رہے ہیں اور ان کے عنقریب فنا ذروال کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ حالانکہ انکو یہ بات معلوم نہیں کہ جو چیز انکو حاصل ہوئی ہے اُسے انکو اسلام سے قریب تر کر دیا ہے جسکی روشنی دنیا میں اُسوقت نمودار ہوئی تھی جبکہ تمام یورپ جہالت کی تاریکیوں میں غلریں کرتا پر رہا تھا۔

جسوقت مذہب اسلام کی روشنی عالم کو منور کرنے کے لئے نمودار ہوئی اسوقت تمام دنیا دوعظیم الشان سلطنتوں کے تابع تھی۔ ایران اور روم ایران کی حالت اُسوقت یہ تھی کہ اندرونی اور بیرونی خلفشار نے اُسکی بنیاد و نگو تر لرزل کر ڈالا تھا لیکن دوسری سلطنت کی پہلی عظمت باقی تھی اور دنیا کی قومیں بدستور اُسکی شوکت و سطوت سے لرز رہی تھیں۔ اُس میں گزشتہ تہذیب و تمدن کا ایک حصہ باقی تھا جس کی نسبت علامہ لاروس کہتا ہے ”رومانوں کے نظامات سلطنت کیاتے؟ وہ نظامات بالکل واد اور سراسر فتاوت تھو جو قوانین کی صورت میں نافذ تھو۔ روم کے اخلاقی فضائل مثلاً شجاعت اور مکر اور دور اندیشی اور قومی اخلاص وہ بعینہ ایسے تھے جو چوروں اور زہنوں میں پائے جلتے ہیں۔ اُسکی وطنیت و حشت کا لباس پہنے ہوئے تھی جس میں سوائے حرص و طمع اور اجنبیوں کے ساتھ عداوت اور کینہ کے اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی اور انسانی شفقت کے احساس کی بُری نوبت ہو رہی تھی۔ روم کی عظمت اور فضیلت سے مراد وہ اعمال ہیں جو بذریعہ تازیانہ اور تلوار کے انجام دے جاتے تھے۔ اور اسیران جنگ کو غدا ب اور قید کے حکم نافذ ہوتے تھے اور بچوں اور بڈھوں کو فحش کی گاریاں کینچنے کی سزا دی جاتی تھی۔“

علامہ موصوف کا یہ قول بہت ہی صرف اس غرض سے نقل کیا ہے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ روئے زمین کی سب بڑی عظیم الشان قوم میں تمدنی ترقی کی نوبت کہاں تک پہنچی تھی۔ تاکہ انکو محقق طور پر ثابت ہو جائے کہ مذہب اسلام کے پاک اصول جنکو ہم عنقریب بیان کریں گے کسی قوم سے ماخوذ نہیں ہیں۔ اور ہم صرف اسی پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ اپنے اس دعوے کو خود یورپ کے مستند علماء کے اقوال سے ثابت کریں گے۔

ہم اور بیان کر چکے ہیں کہ اس زمانہ میں جو آزادی مذہب قوموں کو حاصل ہوئی اور جس پر ان کی عقلی اور اخلاقی ترقی کا دار و مدار ہے۔ اُس کی نسبت علماء مغرب اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اکثر مذاہب کی نصوص کے منافی ہے۔ اور اُس بنا پر انہوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ آئندہ زمانہ میں جو نہایت قریب ہے تمام مذاہب نوالِ زیرِ چرخے اور انسان کو اسکی سعادت و فلاح کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے علم اُسکے تمام مقام ہو گا۔ ہم حسی دلائل سے یہ بات ثابت کریں گے کہ مذہب اسلام میں نہ صرف یہ خصوصیت ہے کہ وہ اس آزادی کا منافی نہیں ہے جس نے یورپ کو وحشت اور جہالت کے گڑھے سے نکال کر شائستگی کی بلندی پر پہنچایا ہے۔ بلکہ وہ ایسی آزادی کی تسلیم و تیلاب ہے جسکو دنیا کی موجودہ آزادیوں سے وہی نسبت ہے جو حقیقت کو خیال سے ہوتی ہے۔

جو آزادی ہر وقت ہم مذہب دنیا میں دیکھ رہے ہیں وہ تین بسیط آزادیوں سے مرکب ہے جو اسکی عظیم الشان عمارت کے لئے بنیادی تین ستونوں کے ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں (۱) نفس کی آزادی (۲) عقل کی آزادی (۳) علم کی آزادی۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کی نسبت ہم بالا جمال گفتگو کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ وہ منجملہ اسلامی اصول کے ہیں۔

نفس کی آزادی

نوع انسان کے مغلوب و مقهور کرنے والوں نے اپنے حصول مقاصد کا جو سب سے بڑا وسیلہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے انسانی نفوس کو ان کے طبعی حقوق اور فطری خصوصیتوں سے محروم کر دیا اور ان حقوق اور خصوصیتوں کو اپنے خاص قصر میں رکھا جس طرح چلتے تھے انکو پیر دیتے تھے۔ پس گویا کہ یہ جملہ کہ (انکھیں بند کر کے اعتقاد رکھو) جیسا کہ علامہ لاروس نے لکھا ہے ایک عام قاعدہ سمجھا جاتا تھا جو تمام قوموں میں ہر فرد بشر کے لئے یکساں واجب العمل تھا۔ جسوقت کسی شخص کی نسبت انکو معلوم ہوتا کہ وہ اس قید گراں سے نجات حاصل کرنے کے لئے حرکت کرنا چاہتا ہے تو وہ فوراً اسکی نسبت السجاد و ارتداد کا فتویٰ دیکر اسکو آگ میں جلا دیتے یا ایسے سخت دڑناک عذاب میں مبتلا کرتے تھے جس سے حیوان کے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

ان لوگوں نے اپنے آپ کو نوع انسان کا آقا اور سر پرست قرار دیا تھا اور انکے بچوں کی تربیت کا بار اپنے ذمہ لیا تھا اور ان سادہ لوحوں کے تخیلات میں ایسے تو اعدا و تعلیمات نقش کرتے تھے جسے وہ جو ان ہو کر مثل بے شعور گلہ کنکے انکے ہاتھوں میں رہیں وہ وہ جس طرح چاہیں ان سے کام لیں۔ انکے ذہنوں میں یہ بات نقش کر دی تھی کہ ابدی سعادت اور شقاوت ہمارے ارادہ پر موقوف اور ہماری مرضی پر منحصر ہے۔

» ولوا تبع الحق اھواءہم لھستند اور اگر حق اور انکی خواہش کے مطابق ہو کر آتو آسمان السموات والارض ومن فیھن «
وزمین اور جو کچھ زمین ہے درجہ و برہم ہو گیا ہوتا۔

پس لوگ اسی ٹاپ کے پیدا ہوئے جس قالب میں اُنکے قاؤں نے ڈالنا چاہتا تھا۔ اور جب دلوں میں تحریک پیدا ہوتی اور انکو نفوس تلملاتے تھے تو وہ تعلیمات جو اُنکے ذہنوں میں بچپن سے منقوش تھیں انکو پکار کر کہتی تھیں کہ وہ ہرگز نہیں۔ نہ تم میں نفس ہے اور نہ ضمیر ہے۔ تمہارا فرض صرف یہی ہے کہ تم اُنکھیں بند کر کے اطاعت کرتے رہو۔

غرض اسی طرح رفتہ رفتہ نفس کی آزادی کا خاتمہ ہوا۔ اور اُسی کے ساتھ خیالات کی آزادی بھی جو انسانی ملکات کو تربیت کرنے والی ہے اور جو نفسانی آزادی کا نتیجہ ہے رخصت ہوئی۔ مگر انسانی طبیعت اس اندوہناک مصیبت پر صبر نہ کر سکی۔ لوگوں کی نیتوں میں فساد اور سینوں میں عداوت اور اُنکے نفوس میں طرح طرح کو دوسو سے اور خطرات پیدا ہونے شروع ہوئے۔ اور دلوں میں دشمنی اور کینہ کی آگ بھڑک اٹھی اور انسانی گردیں سخت خلفشار میں مبتلا ہوئیں اور ایسی خونریز بغاوتیں برپا ہوئیں جنکے دردناک واقعات قیاس کے حصر سے باہر ہیں اور جنکے نتائج سے وہ لوگ واقف ہیں جنکو کسیتہ علم تمدن کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ہے۔

ان تاریکیوں کے انشائیں اور ان اضطرابات سے پیشتر خدا کی عنایت عرب کی گماں اور چٹانوں کے درمیان ایک ایسی قوم کی تربیت کرنے میں مصروف تھی جو خدا سے جبار کی زبان سے حجت قائم کرے اور قہار کے زبردست ہاتھ سے سرکشوں اور نافرمانوں کو ادب کی تعلیم دے۔ تاکہ دنیا کی قومیں جسوقت تہذیب اور شائستگی کا وہ حصہ جو خدا کے علم میں مقدم حاصل کرنے کے بعد اطمینان اور سکون کی طرف رجوع کریں اور سکون اس دعوے کے سمجھنے کا قصد کریں کہ اُنکا مذہب ایک مخفی خزانہ اور ایک ایسا ہبیدہ جس سے زمین و آسمان قائم ہیں تو اُنکو معلوم ہو جائے کہ اُنہوں نے ہزار ہا قیمتی جلیں

تربان کرنے کے بعد جو چیز حاصل کی ہے وہ انہیں الہی تعلیمات کا عکس ہے
 ”سند بحیم آیاتنا“ دد عنقریب ہم ان لوگوں کو اپنی قدرت کی نشانی
 من الآفات فی الفسھد ذیل اطراف میں ہی دکھائی گئے اور ان کے پتھر ریاقت میں
 حتیٰ تین لہم اندہ الحق، ہی میاں تک کہ نہ ظاہر ہو جائیگا کہ یہ قرآن برحق ہے۔“

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ نفس کی حریت کی نسبت اسلام کیا کہتا ہے
 تاکہ فلسفہ کے سرگردہوں اور نوع انسان کے درو مند و نکو یہ بات ثابت ہو جائے
 کہ وہ تمام مسائل جن پر اس صدی کے علما فخر کرتے ہیں اُسی آواز کی صدا اور باگشت
 میں جو چودہ صدیوں پہلے مکہ اور مدینہ کی گماٹیوں کو درمیان گونج رہی تھی۔ اسلام نے
 سادات کی بنیاد اس طرح قائم کی ہے۔

”یا ایھا الناس انا“ ”لوگو! جتنے تم سب کو ایک مرد اور ایک
 خلقت اکھ من خلک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری ذاتیں
 وانے او جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا۔“ اور گوتیں ٹھیرائیں تاکہ ایک دوسرے
 کو شناخت کر سکو۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا نے اسلام کی بدولت جاہلیت
 کی نخوت اور باپ دادوں پر فخر کرنے کے عیب کو دور کر دیا ہے۔ کیونکہ تمام لوگ آدم
 کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ بیشک خدا کے نزدیک زیادہ تر معزز
 وہی شخص ہے جو زیادہ تر متقی ہو۔“

اس سے وہ تمام فضیلتیں معدوم ہو گئیں جو نسب کی شرافت یا دولت و ثروت

۱۔ یہ حدیث صحیح ہے اور بغیر بعض الفاظ ترمذی اور ابوداؤد میں مروی ہے۔ (مترجم)

کی بہتات یا کسی خاص قوم اور قبیلہ کی طرف منسوب ہونے یا ایسے ہی دیگر اسباب سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام نے جھوٹی سنجی اور بڑی بات کو ذریعہ امتیاز قرار نہیں دیا بلکہ اُس نے اخلاقی فضائل اور اعمال کو ذریعہ امتیاز بنایا ہے خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

”اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ“
”یعنی خدا کو نزدیک تم میں سب سے زیادہ محرز
اتفاقہ۔“
وہی شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔“

اسلام نے قرار دیا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری منجملہ ان امور کے نہیں ہے جنکی نسبت کسی شخص کے صرف ظاہری اعمال و عبادت کو دیکھ کر حکم لگایا جاسکے کیونکہ بسا اوقات یہ تمام طاعات و عبادات کسی ایسے عقیدہ کے باعث سے جو اُس کے دل میں راسخ ہوتا ہے اور جس پر خدا کے سوا کوئی فرد بشر مطلع نہیں ہوتا بالکل بے سود اور کالعدم ثابت ہوتی ہیں۔
خدا نے فرمایا ہے۔

”لَا يَسْمَعُ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَا“
”مردود و غیر ذہنی عجب نہیں کہ بہتر ہستی ہیں“
”اِنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ لَّخَيْرًا وَّمِنْهُمْ“
خدا کو نزدیک اُسے بہتر ہوں در نہ عورتیں عورتوں پر
”وَلَا يَسْمَعُ مَنْ هُنَا عَسَا“
ہنیں عجب نہیں کہ بہتر ہستی ہیں وہ اُسے
”اِنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ لَّخَيْرًا“
بہتر ہوں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”ایک شخص اہل جنت کو عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اوکو اور جنت کے درمیان بقدر ایک گز کے فاصلہ باقی رہ جاتا ہے لیکن کتاب اُس پر غالب ہوتی ہے اور وہ اہل دوزخ کے کام کرنے لگتا ہے اور آخر کار اُس میں داخل ہوتا ہے۔ اور ایک شخص اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ

۱۵ یہ حدیث بخاری اور مسلم میں مروی ہے۔ (مترجمہ)

اُسکے اور دوزخ کے درمیان بقدر ایک گز کے فاصلہ باقی رہ جاتا ہے مگر کتاب سپر غالب ہوتی ہے اور وہ اہل جنت کے عمل کرنے لگتا ہے اور آخر کار اُس میں داخل ہوتا ہے۔“

اسلام نے قرار دیا ہے کہ اعمال صالحہ کا قبول کرنا صرف خدا کے اختیار میں ہے کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی کی عبادت یا پرہیز گاری کے مقبول یا مردود ہونے کی نسبت حکم لگائے بلکہ اُسکو مناسب یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ وہ خدا پر چھوڑے اگرچہ وہ پرہیز گاری ایسی ہو جو اُسکو تمام مخلوق سے ممتاز کر دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”میری امت کے محدثین کو (یعنی اُن لوگوں کو جن سے فرشتے باتیں کرتے ہیں) چھوڑ دو۔ نہ ان کی نسبت جنت کا حکم لگاؤ اور نہ دوزخ کا خدا خود قیامت میں ان کی نسبت فیصلہ کرے گا“ اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ ”میری امت کے ان لوگوں کے واسطے تباہی ہے جو اس بات کا حکم لگاتے ہیں کہ فلاں شخص جنتی اور فلاں دوزخی ہے۔“

اسلام نے مسلمانوں کی کسی جماعت کو ایسی خصوصیتیں نہیں عطا فرمائی ہیں جن کی بدولت آسمانی قانون کے سامنے ان کا مرتبہ ادنیٰ حیثیت اور کم درجے کو مسلمانوں کی نسبت اعلیٰ ہو۔ بلکہ اسنے خدا کے فضل و کرم کا دروازہ ہر شخص کے واسطے کیساں کھول رکھا ہے اور قرار دیا ہے کہ ادنیٰ و اعلیٰ جو چاہے اس دروازہ میں داخل ہو سکتا ہے کتاب اور سنت کے سوا کسی مرشد اور رہنما کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسنے اپنے تمام پر و نکو دایا ہے کہ ایسے لوگوں کے دام فریب میں ہنسکر اس حدیث کو جمال الدین سیوطی نے اپنی کتاب جامع ضعیف میں ضعیف لکھا ہے۔ (مترجم)

شرک میں مبتلا نہو جائیں جو اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ سعادت و شقاوت ان کے اختیار میں ہے اور ان کو ایسا حق حاصل ہے جس سے تمام افراد محروم ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”جو اس بات کا مدعی ہے کہ وہ عالم ہے پس وہ جاہل ہے“ اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ ”نہایت خوفناک چیز جس سے میں اپنی امت کی نسبت ڈرتا ہوں وہ شخص ہے جو قرآن مجید کی تاویل کرتا ہے اور اُس کو بے محل اور بے موقع چسپاں کرتا ہے۔ اور نیز وہ شخص ہے جو اس بات کا مدعی ہے کہ اُس کو اس کام میں دوسروں کی نسبت زیادہ حق حاصل ہے۔“

اسلام اپنے پُر و نکو نہایت ہو کہ طور پر خبردار کرتا ہے کہ حساب کے دن انسان کو لئے سوا۔ اُس کے اعمال حسنہ کے کوئی چیز کام نہیں آسکتی اور نہ اُس کو عذاب سے بچا سکتی ہے کسی عظیم الشان داد و اکا پوتا یا کسی بُرے باپ کا بیٹا ہونا کچھ ہی مفید نہیں ہو سکتا۔ خدا نے فرمایا ہے۔

”وَان لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَاِنْ سَعٰی سَوْفَ یُرٰی“ اور یہ کہ انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنی اُسے کوشش کی، اور یہ کہ اُس کی کوشش آگے چلے گی (قیامت کے دن) بچی جائیگی۔ اور نیز فرمایا ہے۔

فَلَا اَنْصَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ ”تو اس دن نہ تو لوگوں میں رشتہ دار ہیں (باقی) رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عباسؓ اے صفیہؓ اور اے فاطمہؓ محمدؐ کی بیٹیؓ بخاری اور مسلم میں ایک طویل حدیث مروی ہے جس کا آخری حصہ یہ ہے ابو عباسؓ (ماتر جبر)

میں خدا سے تم کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے مفید ہے،" اسلئے تمام الہی احکام تمام افراد کے لئے یکساں وارد ہوئے ہیں۔ نوع انسان کو اپنی افراد کے لئے جو تکلیفات عائد کی گئی ہیں بعینہ وہی تکلیفات اعلیٰ سے اعلیٰ افراد کے ذمہ عائد کی گئی ہیں۔ حضرت علیؑ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "خبردار ہو جاؤ تم میں سے ہر شخص راہی ہے اور ہر شخص سے اسکی عیت کی بابت سوال کیا جائیگا"

انہیں آزادانہ قواعد کی بدولت مسلمانوں کے نفوس کو کسی دوسرے شخص کی اشارہ و پرچلنے سے آزادی حاصل ہوئی۔ کیونکہ ہر شخص کو اس امر کا یقین ہو گیا تھا کہ اپنے اعمال کی جزا و سزا صرف اُسی کو بھگتنا ہوگی۔ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی رفیع القدر ہو اُس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

اسی قسم کے اصول سے باہمی اخوة اور مساوات کی ردِ ابطیس استحکام پیدا ہوتا ہے اور لوگوں کا ایک گروہ کثیر چند مخصوص اشخاص کا اسطرح مطیع و متقاد نہیں ہوتا کہ وہ ان کو جد ہرچاہیں پھیر دیں اور اپنی مرضی کے مطابق جس رستہ پر چاہیں چلائیں۔ بیشک اسی قسم کے اصول کی بدولت مساوات کی حکومت قائم ہوتی ہے۔ کیا تم کو معلوم ہے کہ مساوات کے نتائج کیا ہیں؟ مساوات حقوق اور فرائض کے معلوم کرنا سب سے پہلا اصول اور تمام افراد کے درمیان عدالت اور آزادی کی بنیاد مستحکم کرنا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ صرف یہی چیز ہے جو حقیقی اور وہی عدالت کے درمیان باہم الاذنیاء ہر نیولین کتاب ہے کہ "مساوات ہر قسم کی عدالت کا سرچشمہ ہے خواہ قوموں کے درمیان ہو یا

۱۔ جمعیت کو بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

افراد کے درمیان، ”مشہور فلاسفر کوڈنسی کہتا ہے کہ ”طبعی مساوات انسانی افراد کے لئے اپنے حقوق کی شناخت کا سب سے پہلا اصول ہے اور اسی پر تمام اخلاق حمیدہ کی بنیاد ہے۔“

اس فصل کو ختم کرنے سے پیشتر ہم یہ بات ثابت کرنا مناسب خیال کرتے ہیں کہ وہ مسائے جس سے آجکل مہذب قومیں متمتع ہیں، کوئی قدیم زمانہ کی یادگار نہیں ہے۔ بلکہ وہ ان خونریز بغاوتوں کا نتیجہ ہے جو گذشتہ صدی کے اواخر میں برپا ہوئی تھیں۔ فرنگ کہتا ہے کہ ”وہ تمدنی مساوات جس کی بنیاد بعض یورپین قوموں میں نصف صدی سے قائم ہوئی ہے بتدریج دیگر اقوام میں بھی شائع ہوتی جاتی ہے۔ مگر یہ کو حق حاصل ہر کہ ہم خدا کا شکر کریں اور قرآن مجید کی یہ آیت پڑھیں۔“

”الحمد لله الذی هدانا لهذا
 لھذا وما كنا لمنھدین لولا
 ان هدانا الله“

”سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو
 اس کی ہدایت کی اور ہم ہدایت پانوا اور نہیں تھے
 اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ کرتا“



عقل کی آزادی

سب سے بڑی خصوصیت اور عظیم الشان نعمت جو انسان کو عطا ہوئی ہے وہ قوت عقلی ہے۔ ہم اور پرہیزگار کرچکے ہیں کہ انسان اُن تمام امور سے جاہل پیدا کیا گیا ہے جو اس کی بقائے حیات کے لئے ضروری ہیں۔ مگر اس جہالت کے مقابلہ میں اس کو عقلی قوت دی گئی ہے جو معلومات کی زیادتی کے ساتھ ساتھ نشو و نما پاتی اور ترقی کرتی جاتی ہے اور آخر کار انسان کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر نشا کستگی کی روشنی میں پہنچاتی ہے۔ مگر بد قسمتی سے یہ قوت ہی انسان کی دیگر قوتوں کی مانند انہیں لوگوں کے تسلط و انداز کے تحت میں رہی جو انسانی افراد کو اپنا غلام بنانا چاہتے تھے۔ اور جوازی قانون اُس کے لئے مقرر تھا اُس کے مطابق وہ اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہی۔

نوع انسان کے غلام بنانے والوں نے انسان کی تمام قوتوں کی نسبت عقلی قوت کی نگرانی بڑی ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ کی ہے۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ ایک ایسی جوہر دار تلووار ہے کہ اگر میاں سے نکال لی گئی تو اُس کے سامنے اوہام اور تائکیوں کے لشکر ایک منٹ کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ اس لئے انہوں نے نہایت تشدد کے ساتھ اس قوت کی نگہداشت کی اور انسان کو عرصہ دراز تک ایک اعلیٰ درجہ کی نعمت سے محروم رکھا۔ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں اُس کے سمجھنے میں عقل کو ہتھملا کر نا موجب الحاد ہے۔ ان وہود سے لوگ ایسی جہالت کی تاریکی اور وحشیانہ حالت میں مبتلا ہوئے جس کے افسوسناک واقعات نہایت فحالت اور ندامت اور کسیتھور

غصہ کیساتھ تبلیغ ہمارے سامنے بیان کر رہی ہے۔ جبوقت قوموں کی یہ حالت تھی اُسوقت خداوند تعالیٰ حقیقی تمدن اور سچی شائستگی اور عقل کی آزادی کے اصول حضرت خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا تھا۔ اور جبوقت قوموں کو مغلوب و مقہور کر نیوالے اور انکو غلام بنانے والے اپنی رعایا سے کہہ رہے کہ ”عقل کی روشنی کو خاموش کر دو“ بصیرت کی آنکھوں کو بند کر دو“ اُسوقت خدا کا رسول اپنے پیروں اور ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ ”ذہب عین عقل ہے جسکو عقل نہیں اُسکا مذہب بھی نہیں“ اور جبکہ یہ لوگ کر نیوالے اپنے زیرِ دستوں کو یہ حکم دے رہے تھے کہ ”اے لوگو! تم عقل کو الگ رکھنے کی ایک دوسرے کو نصیحت کرو کیونکہ عقل کا استعمال کرنا خدا کی ناراضی اور اُسکے غصہ کا موجب ہوتا ہے“ اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے فرما رہے تھے کہ

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْقِلُوا
عَنْ رَبِّكُمْ دُتُوا صَوَابَ الْعَقْلِ
تَعْرِفُوا مَا أَمَرْتُ بِهِ
اعْلَمُوا أَنَّهُ يَجِدُكُمْ
عِنْدَ رَبِّكُمْ“ اِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ

انہیں آسمانی قواعد کی بدولت عقل کو اُسکی ہر قسم کی قیود سے بالکل آزادی حاصل ہوئی اور انسان کی رہنمائی کا فرض جسکے لئے خدا نے اُسکو پیدا کیا ہے ادا کرنے لگی اور انسانی افراد کی افضلیت کا سب سے بڑا معیار قرار پائی۔ حالانکہ اس

لے کل حدیث ورد فی ذکر العقل لاثبت فی الذیل اخرج الحارث بن اسامہ فی سندہ عن داؤد بن الجریض عن
دلائلین حدیثا قال ابن حجر کلہما موضوعۃ۔ مجمع البجا صفحہ ۵۱۱۔

میشتر صرف ظاہری عبادت اور جسمانی پرہیزگاری اور فضیلت کا معیار تسلیم کیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”کسی شخص کا اسلام محو ہرگز تعجب میں نہ آئے جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ اُس کی عقل کیسی ہے“

ظاہری عبادت اور جسمانی افعال و لسانی حرکات انسان کے لئے کیونکر مفید ہو سکتی ہیں جبکہ وہ اپنے ضعیف عقل کے باعث سے ہر قسم کی افراط و تفریط میں مبتلا ہوتا ہو، اور کاموں میں محل و موقع کا لحاظ نہ رکھتا ہو۔ اگر کسی عمدہ کار بار اُسکے ذمہ ڈالا جاوے تو اُسکو بُری طرح استعمال کرے اور اُسکے کاروبار کے انجام دینے میں غلط طریقہ اختیار کرے۔ عدل کو ظلم سمجھے اور ظلم کو عدل خیال کرے۔ ایسے شخص کی ظاہری عبادت کچھ زیادہ قابلِ وقعت نہیں ہو سکتی۔ جیسے اکثر اشخاص کو دیکھا ہے جو صلاح و تقویٰ کے مدعی تھے مگر وہ محض اپنی نادانی اور کم عقلی سے اپنی قوم کے لئے آفت اور ملک کے لئے مصیبت ثابت ہوئے ہیں۔ ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کی بہت تعریف کی اور اُسیں مبالغہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اُس شخص کی عقل کیسی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اُسکی عبادت و خیرات کی نسبت عرض کرتے ہیں اور آپ اُسکی عقل کی نسبت دریافت فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ”اتق بوجہ اپنی جہالت کے ایسی امتوں میں مبتلا ہوتا ہے جو کسی بدکاری بد کاریوں سے سخت تر ہوتی ہیں۔ قیامت کے روز بندوں کو تقرب الہی کے درجے باعتبار انکی عقلوں کے عطا ہونگے“

مذہب اسلام نے عقلی قوت کو اس قدر بزرگی و شرف و اعتبار عطا فرمایا ہے جسکا ایک شمع آپ کو ان احادیث سے معلوم ہوا ہوگا جو اوپر مذکور ہوئیں۔ لیکن کیا تم کو

معلوم ہے کہ مذہب قوموں میں اس عظیم الشان قوت کی آزادی کا کیا نتیجہ ہو جبکہ وہ نہایت قیمتی جانیں قربان کرنے کے بعد انکو حاصل ہوئی؟ جس عظیم الشان تمدن اور تہذیب و شائستگی سے وہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور جو زبردست قوت اور شوکت انکو حاصل ہے وہ اُسی آزادی کا نتیجہ ہے۔ دینیوی سعادت اور مادی صلاح و فلاح جسکے عجیب و غریب حالات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں وہ بھی اُسی آزادی کا نتیجہ ہے۔ لاروس کتا ہے کہ ”اگر اغراض اور اوبام کی تسبیودستی آزاد ہو کر اُس مادی، فکری اور اخلاقی ترقی کے سبب کی نسبت بحث کریں، جو انسانی گروہوں کو ابتدا سے اس وقت تک حاصل ہوئی ہے تو معلوم ہوگا کہ اُسکا محض یہ سبب ہے کہ عقل کو اُسکی میت سے آزادی حاصل ہوئی۔ ہم اُس محنت کے ختم کرنے سے پیشتر یہ اثبات کرنا چاہتے ہیں کہ عقلی قوت کی آزادی کچھ قدیم زمانہ کی یادگار نہیں ہے اور نیز یہ کہ وہ سخت کشمکش اور جدال و قتال کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ لاروس کتا ہے ”آغاز اصلاح کے زمانہ سے فرانسیسی بغاوت تک عقل کے آزاد کرنے والوں اور اُسکو مقید رکھنے والوں کے درمیان سخت جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہا۔ گذشتہ زمانہ کی حکایات اور خرافات سے بالکل اعراض کرنے اور آئندہ کے لئے ایک نیا طریقہ قرار دینے کے باعث فرانسیسی بغاوت نے سوسائٹی کے ان تمام ارکان کی ترمیم کی جو منہدم ہو چکے تھے اور جدید نسل کی تعلیم اُسکا اہم شغل قرار پایا“ مگر محکومی کہنا مناسب ہے ”الحمد لله الذی هدانا لهذا ما كنا لنهتدی لولا ان هدانا الله“

علمی آزادی

علم کو قوت عقلی کے ساتھ وہی نسبت ہے جو خدا کو جسم کے ساتھ ہے پس جس طرح انسان کا جسم مختلف قسم کے زینی مادوں سے غذا حاصل کر کے نشوونما پاتا اور بڑھتا ہے اسی طرح اسکی عقلی قوت بھی علمی مسائل اور خارجی معلومات سے قوی ہوتی اور ترقی کرتی ہے۔ یہی وجہ سے نوع انسان کو غلامی کی ذلت میں رکھنے والوں نے علم کی مذمت کرنے اور اسکی طرف لوگوں کو نفرت دلانے اور اہل علم کو تکلیف دینے میں کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ انہوں نے قطعی حکم لگا دیا کہ علم ایک ایسی ناپاک چیز ہے جسکے قریب آنا ہی ناجائز ہے۔ علامہ لاروس نے دائرۃ المعارف میں لکھا ہے کہ ”انکا خیال تھا کہ علم ایک ایسا ملعون درخت ہے جو اپنے زہریلے پھول بنی آدم کو ہلاک کرتا ہے“۔ انہوں نے علم کی مخالفت پر بیانتاکمربانہی تھی کہ لوگوں کو اسکا نام لینے سے منع کرتے تھے۔ اور قدما کے فلسفہ میں تحریف کر کے اس کو اپنی خواہشات کے موافق بنا نا چاہتے تھے حتیٰ کہ وہ ان تحریفات کی بدولت ایسا بد صورت ہو گیا کہ عقل اسکو دیکھ کر سخت نفرت کرتی تھی۔

انکے دل میں یہ خیال خام پیدا ہو گیا تھا کہ ہمارے پاس ایسا علم ہے جس کی طرف جمالت کو راہ نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے قطعی حکم لگا دیا تھا کہ جو چیز اس علم سے باہر ہو وہ دائرہ تحقیق سے خارج ہے اور سوائے زمین کے کوئی شخص اسکا قائل نہیں ہو سکتا ایسے لوگوں کو وہ اسقدر عبرت ناک سزائیں دیتے تھے جنکے ذکر سے انسان کا دل رزجا تا آخر

اور اسی طریقہ سے انہوں نے حکماء کی ایک بڑی تعداد کو صرف اس جرم میں ہلاک کیا کہ وہ علمی مواد کے ڈرانے میں کوشش کرتے ہیں۔

ان جابرانہ وسائل سے اس عام میلان میں جو علم کی طرف تناسکون پیدا ہو گیا۔ مگر اس نے فوراً زندگی کے قوانین کی زبان سے حجت قائم کی اور وہ ناطق حجت یہ تھی کہ جمالت اور گرمابیوں کی گرم بازاری ہوئی اور اوام و خرافات کو رواج حاصل ہوا اور ہر کسی کو انسانی خصلتوں پر غالب ہوئیں زبردستوں نے زیر دستوں کو دبایا اور انکو تمام طبعی حقوق سے محروم کر دیا۔ نوع انسان کجالت میں ایک عرصہ تک سخت برہمی اور اختلال رہا۔ اسکے بعد اندرونی شورشوں اور بغاوتوں اور خونریز جنگ و جدل کا زمانہ آیا جو علم کو اسکی گھنٹی قیود سے آزاد کرانے کی غرض سے بہرپا ہوئیں۔

جسوقت قیود کی یہ حالت تھی اسوقت آسمانی حقائق حضرت سیلہ وجود صاحب المقام المحمود صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہے تھے اور حقیقی تمدن اور آزادی علم کے اصول کی تدوین ہو رہی تھی۔ مذہب اسلام نے اگر ان تمام طوق و سلاسل کو توڑا جن میں علم مقید تھا اور قرار دیا کہ علم کو کسی قید سے مقید اور کسی حد سے محدود کرنا ایک ایسی بے انصافی ہے جو معیوب خیال کیجا سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص یہ کہتا ہے کہ علم کی کوئی انتہا ہے تو وہ اسکی حق تلفی کرتا ہے اور اسکو اس مرتبہ سے گرتا ہے جو خدا نے اسکے لئے قرار دیا ہے اسلئے کہ خدا نے فرمایا ہے ”وَمَا آتَيْنَاهُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا“

اسلام نے تصریح کی ہے کہ کلام الہی کی حکمتوں کا سمجھنا اسوقت تک ناممکن ہے جب تک

۱۰ اور تم لوگو کو کلام الہی میں سے بس نمونہ اساعلم دیا گیا ہے۔

کہ انسانی فکر علوم کی روشنی سے منور نہ ہو خدا نے فرمایا ہے ”تِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبَاجًا
لِّلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالَمُونَ“ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ طلب علم
میں کوتاہی کر نہیو لوگو! انجام کی خرابی سے ڈرایا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے ”اور اچھے پیغمبر
”وَلَا تَنْجَسُوا ثَمَبًا بَآيَاتِ لِّمَقُولٍ اگر تم ان لوگوں کو کوئی سامعہ ہی لاؤ گے
الذین کفروا ان انتم الا توجہ منکر میں وہ تو بس ہی کہیں گے کہ ہم مسلمان
مبطلوں - کذلک یطبعوا نرے فہمی ہو۔ جو لوگ سمجھ نہیں
علی قلوب الذین کا رکھتے انکے دل پر اسے اسی طرح مہر لگا دیا
یعلمون“ کرتا ہے۔

اس قسم کی آیات بنیات سے اسلام نے انسانی عقول کے لئے علوم و معارف
کے دروازے کھول دئے اور ہدایت کی کہ علم کا طلب کرنا اور اسکے اکتساب میں کوشش
کرنا خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ ”بہترین عبادت طلب علم ہے“ اور نیز فرمایا ہے کہ ”ایک ساعت علم میں غور کرنا سائے
برس کی عبادت سے بہتر ہے۔“

اسلام نے علم کو کسی خاص شہر یا کسی خاص گروہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ ہم کو
اسکے حاصل کر لینا حکم دیا ہے خواہ وہ کہیں ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ ”علم کو تمنا کرو اگرچہ وہ چین میں ہو“ اور نیز فرمایا ہے کہ حکمت مسلمان کی ایک گم شدہ
چیز ہے جہاں کہیں ملے اسکو اٹھا لینا چاہئے“ پس کوئی مسلمان کسی حکمت کے حاصل
کرنے سے اسوجہ سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ ایسے شخص سے صادر ہوئی ہے جو از روے

۱۔ اس حدیث کو بہیقی نے شعب الایمان میں اور ابن عدی نے کتاب العلم میں روایت کیا ہے۔ ابن حبان کہیں کہ یہ اکل و اصل جو (اللالی المعشور)
۲۔ اس حدیث کو ترمذی نے بغیر بعض الفاظ روایت کیا ہے۔

اعتقاد کے اُسکے برخلاف ہے اور اُسکے حاصل کرنے کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ حکمت ہے جو انسان کے مرتبہ کو بلند کرتی اور اُسکو جہالت سے نکالتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”حکمت کو ملے لو یہ امر تمہارے لئے مضر نہیں ہے کہ وہ کس برتن سے نکلی ہے“

قرآن مجید کی آیات کو تدبر اور تفکر کے ساتھ تلاوت کرو، تمکو معلوم ہوگا کہ علم و حکمت کی طرف سے غفلت اور چشم پوشی کرنے کی انسان کو سخت ممانعت کی گئی ہے۔ خداوند تعالیٰ مہربانی اور رحمت کے بحیث میں اپنے بند و نکو پکار کر کہتا ہے۔ ”الظہر ۱ ما ذا فی السموات والارض“ اور جو لوگ سچیں کو تابہی کرتے ہیں انکو ملامت کرتا ہے تاکہ اہل نظر کے لئے موجب عبرت ہو۔

”وكان من آية في السموات والارض يرسودن عليهما وهم عنها معرضون“ اور جو لوگ عجباب کائنات اور عراب مصنوعات سے اپنی آنکھوں کو بند رکھتے ہیں انکو ڈرتا ہے۔

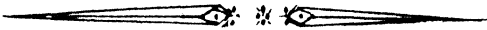
”من كان هذه اعمى فهو في الآخرة اعمى واضل سبيلا“ جو شخص اس دنیا میں دیدہ و دانستہ اندھا بن جائے وہ آخرت میں اندھا اور نجات کو رستے سے بہت ہٹا ہٹکا ہوا ہوگا۔

”قال رب لما حشرتني اعمى وقد كنت بصيرا“ کہے کیوں تھمایا میں تو دنیا میں دیکھتا ہوا تھا تا خدا فرمایا اے ایسا ہی ہو ناچائیے تھا۔ دنیا میں تیری آیتیں تیری پاس آئیں مگر تو نے انکی کچھ خبر نہ لی۔

اسی طرح آج تیری ہی خلیج بانیگی۔“

اسلام نے علمی آزادی کو اس درجہ تک پہنچایا ہے۔ پس میں دریافت کرتا ہوں کہ متقدمین یا متاخرین میں سے کسی نے علم کی اس درجہ قدر و منزلت کی ہے، جو گذشتہ آیت سے معلوم ہوتی ہے۔ کیا علمی آزادی جو مغرب میں دیکھی جاتی ہے، قدیم زمانہ سے چلی آتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ میو برٹلو (Berthelot) ہمبرنارن آفس فرانس کہتا ہے کہ ”علم کو موجودہ آزادی صرف ۲۵۰ سال سے حاصل ہوئی ہے۔“

”الحمد لله الذی هدانا لهذا“ خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو اس (بشت میں آئی) و ما کنا لنهتدی لولا ان کما ستہ دکمایا۔ اور اگر خدا ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔“
 (کیس طرح جنت کا رستہ (ڈیوٹریس) نہ پاتا)



الواجبات الشخصية والعائلية والاجتماعية

ذاتی اور خاندانی اور ملت فی الفضل

گذشتہ فصل میں ہم اختصار کے ساتھ تینوں قسم کی آزادی کی گفتگو کر چکے ہیں جس پر ہندو دنیا کی تمام موجودہ ترقیوں اور کامیابیوں کا اختصار ہے، اور محسوس دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ شائستگی کے تمام بنیادی اصول اسلامی انوار کی شعاعیں ہیں، جنہوں نے مغربی ممالک کو منور کر رکھا ہے۔ لیکن ان بنیادی اصول کے ماتحت دوسرے فروعی قواعد ہیں جو ان ابتدائی اصول کے نتائج ہیں، انکی نسبت بھی اختصار کی گفتگو کرنا ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ جس شخص کو ذرہ بہرہ عقل ہے اسکو ”ما فرطنا فی الکتاب من شئی“ کی تفسیر عیانی طور پر مشاہدہ ہو جاوے۔

ذاتی فرائض

ہر شخص اس امر کا شعور رکھتا ہے کہ وہ دو چیزوں سے مرکب ہے، جو ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہیں، اور وہ جسم اور روح ہیں۔ اور باوجودیکہ انکی طبیعتیں متضاد ہیں، تاہم وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایسا عجیب و غریب اتحاد رکھتے ہیں کہ جسوقت ایک متاثر ہوتا ہے تو اُسکے ساتھ دوسرا بھی متاثر ہوتا ہے۔ اگرچہ ان دونوں اثرات اور اثرات کے درمیان بالکل تباہی ہوتا ہے۔ اس نظریہ (Theosophy) کی بنا پر نوع انسان نے نتیجہ نکالا ہے کہ وہ سعادت و فلاح جو انسان کی انتہائی مناسب اُسکا دار و مدار بالکل اس بات پر ہے کہ دونوں جوہروں کی حفاظت اُن تمام غوارض سے کی جائے جو انکو اپنے فرائض کے ادا کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ پس ان دونوں کی حفاظت پر یکساں توجہ مبذول رکھنا ایک لازمی امر ہو گیا ہے۔ علامہ لاک کہتا ہے: ”وہ سعادت و فلاح جس سے دنیا میں فائدہ اُٹھانا انسان کے لئے ممکن ہے اُسکے واسطے دو چیزیں لازمی ہیں۔ عقل صحیحہ اور جسم سالم۔ یہ دونوں نعمتیں دوسری تمام نعمتوں کی اصل اصول ہیں۔ اور جس کے پاس خوش قسمتی سے یہ دونوں موجود ہوں اُسکو ہر کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور جو ان سے محروم ہو وہ ہرگز خوشحال نہیں ہو سکتا اگرچہ اُسکے پاس اہم نعمتیں موجود ہوں۔ کیونکہ حقیقت یہی دونوں چیزیں سعادت اور شقاوت کی بنیاد ہیں۔ جو شخص عقل سلیم سے محروم ہے وہ عمر بھر سعادت و فلاح کا سیدھا رستہ معلوم نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جو شخص جسمانی تندرستی سے محروم ہے وہ بھی کامیابی کی راہیں کوئی

قابل ذکر حلقہ میں نہیں کر سکتا۔

پس جبکہ یہ افریقہل ہو چکا ہے تو اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انسان کے پیچھے دو قسم کی ضروریات لگی ہوئی ہیں۔ ایک روحانی ضروریات جو نفسانی سعادت اور روحانی فلاح کو مستلزم ہیں، اور دوسری جسمانی ضروریات جو جسمانی سعادت کو مستلزم ہیں۔ نفسانی یا روحانی ضروریات سے وہ قواعد مراد ہوتے ہیں جنکے استعمال میں لانیسہ انسانی نفس صحیح سالم اور اپنے فرائض کو ادا کرنے کے قابل رہے۔ اسی طرح جسمانی ضروریات سے وہ قوانین مراد ہوتے ہیں جن سے جسم تندرست اور ان فرائض کے ادا کرنے کے قابل رہے جو اس دنیوی زندگی میں اُسکے ذمہ عائد کئے گئے ہیں۔ غرض کہ انسانی سعادت جو انسان کی انتہائی تمنا ہے وہ نفس اور جسم دونوں کی اصلاح حالت اور دونوں کی ضروریات میں تناسب قائم رکھنے پر متوقف ہے۔ اور یہ اس زمانہ میں ایسی بدیہی بات ہے کہ تمام دنیا کے علماء میں سے کوئی شخص بھی اس میں شک و شبہ نہیں کرتا۔ مگر ان علماء سے پیشتر اسلام ان قواعد کو اس وقت منضبط کر رہا تھا جبکہ لوگ پہاڑوں میں رہتے اور رہبانیت اختیار کرنے یا تمام عقلی اور فکری فضائل کو خیر باد کہہ کر محض بدنی لذات میں غرق رہنے کو ذریعہ سعادت خیال کرتے تھے۔ اس مسئلہ پر ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔



نفسانی ضروریات

جو شخص بصیرت کی انہیں کہو لکھ مخلوقات کے حالات پر غور کر گیا اُسکو انکی فطرت کے تباہ اور ان کی استعداد کے تحائف کے متعلق نہایت عجیب و غریب باتیں معلوم ہونے لگیں اُسکو معلوم ہو گا کہ کوئی شخص نقطہ اعتدال پر قائم ہے، کوئی افراط میں مبتلا اور تفریط میں گرفتار ہے۔ اور اس اعتدال اور افراط اور تفریط کے درمیان اس قدر درجات ہیں جن کی تعداد خدا کے سوا کوئی شخص نہیں جان سکتا۔ یہ لوگ باوجودیکہ نوعیت میں متحد اور انسانیت میں شریک ہیں مگر وہ اپنے اعمال، اعتقادات اور ملکات میں ایک دوسرے سے بالکل متباہ ہیں۔ دودلوئیکے درمیان موافقت پیدا کرنا مثل اجتماع ضدین کے ناممکن ہے۔ آپ کے نزدیک نوع انسان کے افراد میں اس سخت تباہی کا کیا باعث ہے؟ کیا یہ اس امر کی محسوس دلیل نہیں ہے کہ جب طرح جسمانی امراض اجسام پر طاری ہوتے اور اس کی مادی صورت کو بگاڑ دیتے ہیں، اسی طرح بعض اوقات انسانی نفوس کو روحانی امراض عارض ہوتے اور اُسکی معنوی صورت کو خراب کر دیتے ہیں؟ اگر کہتے ہیں کہ کسی نصیحت کی تاثیر سے کوئی گمراہ اپنی گمراہی سے باز آگیا ہے، تو کیا یہ اس بات کی واضح دلیل نہیں ہے کہ اگر حقیقی علاج میسر آجائے تو نفوس کے امراض کا زائل ہونا ممکن ہے۔ بیشک نفس ابتدا میں مثل بچہ کے ہوتا ہے۔ ہر ایک سانپنے میں ڈہل جائیگی استعداد اس میں موجود ہوتی ہے۔ پس اگر ابتدا ہی سے اُسکو کوئی دشمن تربیت کر نہیو الا بچا تاسے اور سچے حکیمانہ تعلیمات کے مطابق نشوونما پاتا ہے تو وہ جوان ہو کر نہایت نیک اور پاکیزہ ہوتا ہے

لیکن اگر قیستی سے اُسکو ناقص مرنے لگتا ہے، یا ناقص موثرات کے درمیان اُس کی نشو و نما ہوتی ہے تو وہ نہایت شریک تھا ہے اور انسان کو سخت ذلتوں اور رسوائیوں میں مبتلا کرتا ہے۔ اس بنا پر امراض اور معالجات کے قیاس کرنے کے لحاظ سے نفس کا حال بھی بالکل جسم کے مانند ہے اگرچہ نفسانی امراض اور معالجات جسمانی امراض اور معالجات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔

اس قدر تمیز کے بعد یہ کہو نفوس کی تربیت اور امراض سے اُلگی حفاظت اور نیز اُس طریقہ کی نسبت گفتگو کرنا آسان ہو گیا ہے جس سے اُس میں اپنے فرائض کے ادا کرنے کی صلاحیت باقی رہے۔ اسکے لئے چار چیزوں کی ضرورت ہے (۱) اسکو اوہام کے رنگ سے صاف کرنا (۲) صحیح معلومات سے رہنمائی کرنا (۳) اخلاق حمیدہ کا اسکو عادی بنانا (۴) اعتقاد کی تصحیح کرنا۔ ان چاروں امور کو ہم علمی، روحانی، نفسانی اور جسمانی میں بیان کرتے ہیں۔



نفس کو اوہام کے رنگ سے صاف کرنا

پہلے فصل میں بیان کر چکے ہیں کہ جسمانی حفظِ صحت اور نفسانی حفظِ صحت کے قواعد میں پوری مشابہت ہے۔ جسمانی حفظِ صحت کے لئے جس چیز کی طرف سب سے اول توجہ مبذول کرنا ضروری اور لازمی ہے وہ یہ ہے کہ جسم کو ہمیشہ نجاسات اور میلِ کپیل سے پاک صاف رکھا جاوے جو زندگی کے فرائض ادا کرنے سے عارض ہوتے رہتے ہیں۔ اگر جسمانی صفائی اور پاکیزگی نظر انداز کر دی جاوے تو بسا اوقات جسم پر ایسے امراض طاری ہوتے ہیں جو نتیجے اسکی تو تو کو مضمحل کر دیتے اور آخر کار انسان کی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔

جس طرح مادی نجاسات اور میلِ کپیل جسمانی امراض کا موجب ہوتے ہیں اسی طرح افلاکِ اجرام اور باطل خیالات جو روحانی نجاسات ہیں نفسانی امراض کا باعث ہوتے ہیں۔ اسلئے نہایت مؤثر وسائل کے ساتھ انکے زائل کرنے کی کوشش جاری رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوگا اور نفسانی صفائی اور پاکیزگی کا لحاظ نہ رکھا جائیگا تو روحانی نجاسات مجتمع ہو کر نفس کو بیمار کر دیں گی اور اسکو اپنے فرائض کے ادا کرنے کے قابلِ پختہ نہ بنائیں گی۔ مثلاً یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بعض اوقات ایک باطل دہم یا غلط خیال نفس کو عارض ہو کر اکثر فضائل سے اسکو محروم کر دیتا ہے اور ان فضائل سے محروم ہونا ایسے امراض کا مورث ہوتا ہے جو زہری اور بعض وحسد کے نام سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ اور یہ مہلک امراض وہ ہیں جن کے زائل کرنے کی کوشش میں علمائے اخلاق اپنے تمام قیمتی اوقات صرف کرتے ہیں۔

اور لوگوں کو ادا و اخراجات سے بچنے کی ایسی ہی تاکید کرتے ہیں جیسی زہریلی سانپوں اور درندوں سے بچنے کی۔ انکی رائے ہے کہ گزشتہ صدیوں میں جس قدر فتنے اور فساد دنیائیں برپا ہوئے ہیں ان کا صرف یہی باعث تھا کہ اُس زمانہ کے لوگ اُن تمام باتوں کو جو انکے سامنے بیان کی جاتی تھیں بلا چون و چرا تسلیم کرتے اور انکی تعمیل کرتے تھے، اگرچہ انکی تائید میں کوئی دلیل نہ بیان کی گئی ہو۔

مذہب اسلام نے علمائے اخلاق سے بہت پہلے ان قواعد کو منبسط کیا ہے۔ اُسنے اپنے پیروں کو ادا و اہام کی گراہیوں میں مبتلا ہونے سے ڈرایا ہے اور اُنکو دکھایا ہے کہ اکثر باتیں جنکی طرف لوگ دعوت دیتے ہیں عقل کو عیب لگانے والی اور حق سے دور دھکیلنے والی ہوتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

”وَإِنْ تَطَعُوا لَفِي السَّعْيِ“ اور (اے پیغمبر) اکثر لوگ تو دنیا سے بے یصلوٰۃ عن سبیل اللہ ان میں کہ اگر انکے کہے چلو تو تمکو راہ خدا سے ہٹکا دیتے ہیں۔ یہ تو صرف اُپر ذہنی خیالات پر چلتے اور عقل کی ٹھیکس (بیٹھے) دوڑاتے ہیں۔

اور آگاہ کیا ہے کہ قیامت دن انسان کو خدا کے سامنے جو ابدی کے واسطے کھڑا ہونا پڑے گا۔ اور جو غلط خیالات بغیر کسی دلیل کے اُسنے اپنے عقائد میں شامل کر لئے ہیں انکی بابت باز پرس کی جائیگی۔ اسکی نسبت خدا نے فرمایا ہے۔

”وَلَا تَحْقُقَ الْإِسْلَامَ“ اور (اے مخاطب) جس بات کا تجھ کو علم (یقینی) نہیں (اٹکل سوچ) اسکے پیچھے نہ ہو دیا کرو (کیونکہ) کان اور آنکھ اور دل ان سب (قیامت کے دن)

بہ علم ان السمیع والبصر والعقود کل اولئک

کات عنه مسئولا“ پوچھنے کچھ ہوتی ہے“
 اسکے بعد ہمارے سامنے گراہوں کا حال بیان کیا ہے اور یہ کہ وہ کم لایا ہے کہ یہ گراہی صرف
 وہم اور گمان کی پیروی کا نتیجہ ہے اور انکو انجام کی خرابی سے متنبہ کیا ہے۔ فرمایا ہے۔
 ”وما یبغی الا“ اور ان لوگوں میں اکثر تو بس اکل پر چلتے
 ظننا ان الظن لا یغنی
 من الحق شیئاً ان الله
 علیم بما یتفعلون“
 آتے۔ جیسی جیسی (ناویناں) یہ لوگ کر رہے
 ہیں اللہ اُن سے خوب واقف ہے۔

نفس کو علم و فضل کے ساتھ آراستہ کرنا

ہم اور پر بیان کر چکے ہیں کہ جس طرح جسم کو مادی نجاسات اور میل کچیل سے پاک صاف
 کرنا ضروری ہے، اسی طرح نفس کو اودام اور خرافات کے میل کچیل سے پاک
 رکھنا ضروری اور لازمی ہے۔ اور اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح مادی صفائی کے لئے
 ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جو امراض کے ماکروب سے پاک اور صحت افزا ہوں اسی
 طرح نفسانی صفائی کے لئے ایسی چیز درکار ہے جو نفس کو اودام اور وسوسوں کی غلات
 سے پاک کرنے والی ہو۔ وہ چیز جو نفس کو پاک صاف کرے خوالی ہے علم ہے، جو تجربہ سے
 ثابت ہو چکا ہو اور جس پر محسوس دلائل قائم ہو چکے ہوں۔ یہ بالکل بدیہی بات ہے جس
 میں کسی ذی عقل شخص کو مطلق شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ مذہب دنیا میں جس نے
 سب سے پہلے یہ اصول قائم کیا وہ ڈی کارٹ ہے جو سترہویں صدی میں ایک مشہور
 اور نامور فلاسفر گذرا ہے۔ اور اس وقت سے علمی مسائل کی تحقیق و تنقید میں اسی کے

مذہب پر عمل درآمد پورا ہے۔

اسلام نے نفس کو پاک کرنے اور اسکو علم و حکمت کے زیور سے آراستہ کرنے کے اصول کو دنیا میں سب سے پہلے منضبط کیا ہے اور دونوں جنسوں یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے اسکا اکتساب فرض اور واجب ٹھہرایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”کہ علم کا طلب کرنا ہر ایک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے“ اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ ”پیدائش سے وفات تک علم طلب کرو“

اسلام نے ان تمام مرد و ازاد کو بند کر دیا ہے جن کے ذریعہ سے باطل اوہام اور غلط خیالات کی رسائی علم تک ہونا ممکن ہے جس کی صحت اور صداقت پر یقینی دلیل قائم نہ کی جاسکے اسکو اسلام نے علم کے نام پر موسوم نہیں کیا۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

”ان عندکم ومن سلطان“ ”تمہارے پاس کئی دلیل تو ہے نہیں تو کیا

بھلا اے تعالٰیٰ علی اللہ الا“ ”ہے جانے بوجھے خدا پر جھوٹ بولتے

ہو“

تعالیٰ

قرآن مجید میں تصریح کی گئی کہ اکثر لوگ اپنی نفسانی خواہشات کی بنا پر حقائق کو باطل اوہام کے ساتھ غلط مٹا کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو حد سے بڑھنے والے کہا گیا ہے اور ان سے الگ رہنے کی ہدایت ہوئی ہے خدا نے فرمایا ہے۔

”وان کثیر من الناس“ ”اور بہت لوگ جو اہی بخواہی بلا تحقیق

لیضلوا باہواءہم وبعیر“ ”اپنی خواہشوں کے مطابق لوگوں کو بہکا کر

رہتے ہیں“

علم

۱۰۔ حدیث جتنے طرز میں دی ہے وہ سب ضعیف ہیں مجمع ابجا صفحہ ۵۱۰

اسکے بعد خدا نے ان لوگوں کا حال بیان کیا ہے جو ہوا و ہوس کے اشاروں پر چلتے ہیں اور انکو انجام کی خرابی سے ڈرایا ہے اور قرار دیا ہے کہ انکا یہ عذر کہ ہم دوسروں کی تقلید کرتے ہوئے ہیں انکے لئے کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ خدا نے فرمایا ہے۔

”واذتبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا وراوا العذاب و تقطعت بهم الأسباب و قال الذین اتبعوا اوان لنا کفة فنتبرأ منهم کما تبرأوا منا۔ کذالک یرحمہ اللہ اعلمہ حسرات علیہم و ما ہم بنجار حین من الناس“

”یہ ایسا طرہا وقت ہوگا اسوقت گرو اپنے چلیے چائٹوں سے دست بردار ہو جائینگے اور عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور انکے آپس کے تعلقات سب ٹوٹ جائینگے اور چلیے بولیں گے کہ اسے کاش ہم کو ایک دفعہ نیامیں پر لوٹ کر جانا ہوتا جیسے یہ لوگ آج جسے دست بردار ہو گئے اس طرح کل کو ہم بھی اُنسی دست بردار ہو جائیں گے اور انکو اعمال انکو آگے لائیکا کہ انکو وہ اعمال متراست ہو جسے حسرت و کمائی دیکھو اور اس پر ہی انکو درخ نکلتا نصیب گا“

اسلام نہایت بلند آواز سے (جو سو تو کمو بیدار کر نیوالی اور غافل کو چوکا دینے والی ہے) پکار کر کہہ رہا ہے کہ علم کی ضرورت صرف آخری زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کی دنیوی زندگی میں بھی ویسی ہی ضرورت ہے اور دنیا کے کاروبار بغیر علم کے انجام پذیر نہیں ہو سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص دنیا کا خواستگار ہے اسکو علم حاصل کرنا چاہئے اور جو آخرت کا خواستگار ہے اسکو علم حاصل کرنا چاہئے اور جو شخص دونوں کا خواستگار ہے اسکو ہی علم حاصل کرنا چاہئے“

علم کے امتساب میں کوتاہی کر نیوالو کو اسلام ان لوگوں سے زیادہ تر سخت ملامت

کرتا ہے جو اپنے اواسے فرائض میں غفلت اور کوتاہی کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”دنیا اور دنیا کی چیزیں ملعون ہیں مگر عالم اور مقلم“ اور نیز فرمایا ہے کہ ”زندگی میں کوئی بہتری نہیں ہے مگر گفتگو کرنے والے عالم اور یاد رکھنے والے سامع کیلئے“ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ غمگین انسان کو ایسا زمانہ آئیوا لائے جس میں بے دینی اور الحاد کی گرم بازاری ہوگی۔ اور اسلام کی طرف ایسی چیزیں منسوب کی جاوئیں جنکو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اسلام میں ایسے منافق علماء پیدا ہونگے جو اسکی مستحکم عمارت کو ہند کرنے کی غرض سے اسکی پاک تعلیمات کے ساتھ یہودہ خرافات شامل کر دینگے اور اسکی بربادی کے لئے ایسے جملے ایجاد کرینگے جنکا سمجھنا ان لوگوں کو مشکل ہوگا جو اسلام کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”میرے بعد ایسے قفسے برپا ہونگے کہ ایک شخص صبح کو مومن اور شام کو کافر ہو کر گیا مگر وہ لوگ جنکو خدا نے علم سے زندہ کیا ہے“

اسلام صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ ”جہالت اور اسلام دو ایسی مقننا و چیزیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اور قرآن مجید کا سمجھنا زیادتی علم پر موقوف ہے اور جو شخص اپنی جہالت پر قائم ہے، وہ ہمیشہ کلام الہی کے سمجھنے سے محروم رہیگا جس سے اس کی تربیت اور اسکا تزکیہ مقصود ہے اور یہ ایک ایسا خباہت ہے جسکا کسی طرح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وَلَا تَكُن مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ“

۱۔ اس حدیث کو طبرانی نے ابی امامہ سے روایت کیا ہے سیوطی نے اسکو حسن لکھا ہے۔

۲۔ اور ہم چند مثالیں لوگوں کے سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں اور عالم ہی انکو سمجھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”کیا بغیر علم کے قرآن سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے“ مذہب اسلام نے علم کے مرتبہ کو یہاں تک بلند کیا ہے اور اس کے اکتساب کی اس قدر ترغیب دی ہے۔ آپ کو یقیناً معلوم ہوا ہوگا وہ ترغیب ان تمام اقوال کی نسبت جو ہم آج کل تمدن کے پیشواؤں اور تہذیب و شائستگی کے حامیوں کی زبان سے سنتے ہیں انسان پر زیادہ تر موثر ہے۔ بیشک ”ومن احسن من اللہ حدیثاً“

نفس کو اخلاق حمیدہ سے آراستہ کرنا

ہر شخص جانتا ہے کہ جب طرح اس کے پیچھے بہت سی جسمانی ضرورتیں لگی ہوئی ہیں اسی طرح اس کے نفس میں اسی خواہشیں اور غبتیں پیدا کی گئی ہیں جن کا نفس کو شعور ہوتا اور وہ اسے متاثر ہوتا ہے اور جن کا نفس سے جدا کرنا ناممکن ہے۔ پس جب طرح جسم کو بہوک پیاس اور گرمی سردی وغیرہ اندرونی اور بیرونی موثرات کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح نفس کو اس کی بہت سی ضرورتوں کا احساس ہوتا ہے۔ اگرچہ نفسانی حاجات مثل گرمی سردی اور بہوک پیاس کے نہیں ہیں، لیکن ان چیزوں کی احتیاج کے لحاظ سے جو زندگی قائم رکھنے کے لئے ضروری ہیں نفس اور جسم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بیشک نفسانی خواہشیں اور غبتیں اگرچہ بلحاظ اپنی شکلوں اور صورتوں کے تعدد اور شمار کی حد سے باہر ہیں۔ لیکن وہ باوجود بھی دو ہیشمار ہونے کے صرف ایک محور کے گرد گردش کرتی ہیں۔ اور وہ اس فطری کمال کی طرف میلان ہے جس کی دہندگی تصویر انسان

کبھی کبھی اپنے وجدان میں دیکھ لیتا ہے اور جس کی حسرت دل میں لیکر مرنے لگتا ہے۔

روئے زمین کے عقلمانی نے نہایت قدیم زمانہ سے نوع انسان کے اخلاق کی تہذیب کو ایک ضروری امر خیال کر کے اسکا اہتمام کیا ہے۔ اسبارہ میں جو اسکے اقوال میں مذکور ہو اس مختصر کتاب میں نقل کر سکتے ہیں، اور نہ انکی عدم صلاحیت پر دلائل قائم کر سکی ضرورت دیکھتی ہیں۔ مگر ان عظیم الشان اقوام کے حالات پر غور کرنے سے جبکہ تاریخی ثمرت حاصل ہے یہ امر خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ بیشک ان قوموں کے حالات پر سرسری غور کرنے سے دور ان کی زعبتوں کا ٹیپیکسٹخ دریافت کر نیسے بلکہ صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ انکے پیشوا، اساسات کی تربیت اور تہذیب طبائع کے بنیادی اصول سے واقف نہیں ہو سکتے تھے بنیادی اصول سے ہماری مراد اصول اعتدال ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض لوگوں نے اخلاق حمیدہ کے اہتمام کو صرف اپنی قوم کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور دیگر قوموں کے مقابلہ میں ردائے کار تکاب جائز قرار دیا ہے۔ اس اصول کی جہلک ان قوموں میں نہایت وضاحت کے ساتھ اب تک نظر آتی ہے جبکہ دیگر قوموں پر قوی تسلط اور اقتدار حاصل رہا ہے۔ اس دعوے کی تائید میں ہمارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جن کی کسی صورت سے تردید نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے اخلاقی کمالات کی نسبت تفریط کو جائز رکھا ہے جس سے نہ دل کو سکون ہوتا اور نہ وجدان کو طمانیت حاصل ہوتی ہے اور انسان اپنے غفیری کمال کی طرف اپنی رفتار کا سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتا۔ بعض لوگوں نے نفس کا زور تو نہیں افزا سے کام لیا ہے اور اکثر خواہشوں اور زعبتوں کا فائدہ دنیا لازمی قرار دیا ہے۔

اسبارہ میں افراط کے نتائج بھی تفریط سے کسی طرح کم نہیں۔ جس قوم کے افراد میں یہ مرض پھیل جاتا ہے اسکا نظام مختل اور اس کی شائستگی کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے

اور اسکو شبہار تمدنی فتنوں میں مبتلا کرتا ہے جن کی تفصیل تاریخ کی مطول کتابوں سے دریافت ہو سکتی ہے۔ نفسانی ریاضتوں اور عبادتوں میں افراط زیادہ تر ان قوموں میں دیکھی جاتی ہے جنکو اپنے مذہب کے سمجھنے میں غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مذاہب نے صرف زہد اور تقویٰ کی تعلیم دی ہے اور زمین کی تمام چیزوں کے وارزہ سے بالکل باہر نکلی جانیکا حکم دیا ہے۔ لیکن ان کے پیرو سبب سے غافل ہو گئے ہیں کہ اس قسم کے مذاہب کی عمر ایک خاص زمانہ تک محدود ہوتی ہے اور اسکے گزرنے کے بعد اپنی عمل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ان مذاہب سے صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ انسانی نفس کو شائستگی کے ایک زیادہ اونچے درجے کے لئے تیار کیا جاوے۔ جسوقت تک انسانی طبیعت میں اس درجہ کی قابلیت نہ پیدا ہوا سو وقت تک اسپر پنچنا ناممکن ہے۔ اس دوسرے درجہ کی نسبت ہم یہ دعوے کرتے ہیں کہ وہ خواہشات کی تحدید میں انتہائی درجہ ہے جہاں انسان کا پنچنا ممکن ہے۔ اور وہ اصول اعتدال ہے۔

بیشک اعتدال کا اصول و عظیم الشان اصول ہے، جسپر ہر چیز کا قوام اور ہر ایک چیز کی سستی منحصر ہے۔ اگر اس دعوے کی تائید میں آپ کو کسی دلیل کی ضرورت ہو تو تمام علوی اور سفلی کائنات پر نظر کرنا چاہئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ زمین کے بسیط مادی ذرات سے لیکر آسمان کے بڑے سے بڑی اور زورانی ستاروں تک زبان حال پکار کر کہہ رہے ہیں کہ نکاح و وجود صرف اعتدال کی بنیاد پر قائم ہے۔ جس طرح ہر ایک چیز کا کمال صرف اعتدال کی طرف منسوب ہوتا ہے اسی طرح اسکا اخلاص سوائے عدم اعتدال کے اور کسی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ روئے زمین کے عقلا کے نزدیک اس بات میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں۔ بلکہ اعتدال کا اصول ایک ایسا قاعدہ ہے جسپر تمام کار و بار اور تمام جسمانی اور

نفسانی ضرورتوں کی بنیاد ہونی چاہئے۔ علامہ لاروس نے عباد اور زہاد کے ایک گروہ کا حال لکھا ہے۔ یہ گروہ خیال کرتا ہے کہ آخرت میں تقرب الہی کے اہلی درجات صرف اُسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ وہ سخت ریاضات اور مجاہدات کے ذریعہ سے جو انسانی طاقت سے باہر ہیں اپنی تمام نفسانی رغبتوں کو فنا کر دیں اور نفس کو اُسکی ہر قسم کی خواہشوں سے محروم کر دیں۔ علامہ مذکور نے اُس گروہ کی طرف ایسے وحشیانہ امور منسوب کئے ہیں جو سوا عریان لوگوں کے جو سخت جنون میں مبتلا ہوں کسی شخص سے سرزد نہیں ہو سکتے۔ اسکے بعد لکھا ہے کہ ”یہ لوگ جو غر کی تاثیر کو باطل کرنا چاہتے ہیں درحقیقت اپنی خواہشوں پر قربان ہو رہے ہیں کیونکہ انہوں نے بجائے اسکے کہ وہ نفسانی خواہشات کو اعتدال کے ساتھ پورا کرتے ہیں بوجہ جنون کے انکا بالکل استیصال کرنا چاہا ہے“

نفسانی خواہشوں اور رغبتوں کے معاملہ میں افراط اور تفریط کے لحاظ سے تمام قوموں کی یہی حالت تھی۔ حتیٰ کہ حقانیت کے آسمان سے اسلام کی روشنی نمودار ہوئی اور تاریکی کا وہ پردہ جو فضائل اور کمالات کے چہرہ پر پڑا ہوا تھا دور ہوا۔ قرآن مجید کی آیاتوں نے افراط اور تفریط کو نیا لوگوں کو طاعت کی ہے اور انکو دنیا اور آخرت میں انجام کی خرابی سے ڈرایا ہے اور اس بارہ میں نہایت حکمت کے ساتھ اعتدال کو اصول کو مستحکم کیا ہے۔

قرآن مجید کی آیات سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے ہمکو دنیا میں اسلئے نہیں پیدا کیا کہ وہ ہمکو ایسی عبادات شاقہ کی مصیبت میں مبتلا کرے جو نفسانی احساسات کو فنا کرنے والی ہیں بلکہ یہ احساسات ہمکو اسلئے عطا فرمائے ہیں کہ ہم حکمت اور دانائی کے ساتھ تمام مرحلے طے کر کے نفسانی کمال کے اُس درجہ کو پہنچ جائیں جو قدرت نے ہمارے

واسطے قرار دیا ہے۔ اور ہکمود کہلا یا ہے کہ جس قدر جسمانی یا قلبی عبادات کا ہکمود کم دیا گیا ہے
 نے صرف یہی نتیجہ مقصود ہے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ”الذکر سیر علیٰ لنگی کرنی
 ”مایرید اللہ لیجعل
 علیکم من حرج و لیکن
 یرید لیطہرکم و لیتدفعمہ
 علیکم و لعلکم تشکرون“
 ہے اور (نیز) یہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنا
 احسان پورا کرے تاکہ تم اس کا
 شکر کرو“

اسلام نے ہکمود صراحت کے ساتھ بتلادیا ہے کہ مذہب میں غلو کرنا ایسا امر نہیں
 ہے جس کی خدا نے اپنے بندوں کو تکلیف دی ہو بلکہ خدا کی ذات اس غیب سے تر ہے
 ہے کہ وہ بند و نکوان کی طاقت سے زیادہ تکلیف دے (لا یكلف الله نفساً اثماً)
 و سعمہا) ہکمود تاریخی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر قومیں مذہبی غلو کی بدولت
 جس کو صرف ان کے خیالات نے ایجاد کیا تھا برباد ہو چکی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا ہے کہ ”مذہبی غلو سے بچتے رہو کیونکہ تم سے پیشتر بہت سی قومیں اس کی
 بدولت ہلاک ہو چکی ہیں“ اسلام نے ان لوگوں کی طرف بھی توجہ مبذول کی ہے
 جو خیال کرتے ہیں کہ عبادت میں اپنے آپ کو ہلاک کر دینا اور ریاضات اور مجاہدات
 شاقہ میں جسم کو گملا ڈالنا خدا کے سامنے ان کی شہادت اخلاص کو ظاہر کرتا ہے۔ ایسے
 لوگوں کو لکھا ہے کہ وہ خدا کو ایسے وصف کے ساتھ متصف کرتے ہیں جو اس کی
 صفات کمال سے خارج ہے اور ان کو متنبہ کیا ہے کہ یہ ریاضات اور مجاہدات جو اعتدال
 سے خارج ہیں نہ صرف بے مصرف اور محض بے سود ہیں بلکہ وہ خدا کی ناراضی اور اس کے
 غصہ کا موجب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص خدا کی رحمت

کو قبول نہ کر گیا اسکے ذیل عرفہ کے پہاڑوں کے گناہ ہوگا۔“

اسلام دینی اور دنیوی سعادت کو جامع اور دنیوی و اخروی زندگی کے اصول پر مشتمل ہے اسلئے اس نے رہبانیت اور تہذیب کو جائز رکھا ہے اور نہ اس نے قوی اور دنیوی کاروبار چھوڑ کر پہاڑوں میں بیٹھ کر عبادت کرنا مباح قرار دیا ہے۔ بلکہ یہ تمام باتیں اسلام کے منافی اور محض الہی کا موجب ہیں۔ ”روایت کیا گیا ہے کہ ایک شخص عبادت کی غرض سے پہاڑ میں جا رہا۔ لوگ اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ دو تھکواؤ تم میں سے کسی کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اسلام کے بعض مقامات میں ایک ساعت صبر کرنا چالیس سال تنہائی کی عبادت سے بہتر ہے۔“

مذہبی اعتدال کے لحاظ سے مذہب اسلام کی یہ حالت ہے جو نوع انسان کو دنیوی اور اخروی سعادت کی طرف لیجانے والا ہے۔ نفسانی خواہشوں اور رغبتوں کے معاملہ میں ہی وہ اعتدال کے اصول پر قائم ہے۔ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ وہ کسی خواہش اور رغبت کا قتل کرنا جائز نہیں رکھتا بلکہ وہ بلا افراط و تفریط کے انکو اعتدال کے درجہ پر قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً سخاوت ایک فضیلت محمودہ ہے مگر اسلام میں وہ ایسوقت تک فضیلت شمار کی جاتی ہے جبکہ اعتدال کا لحاظ رکھا جائے لیکن اگر ایسا نہ ہوگا تو وہ جھلٹ بھوم شمار ہوگی اور گناہ سمجھی جاوے گی۔ جس کی نسبت انسان کو جو ابھی کرنا پڑیگی۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ”اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر ہر ایک کو اسکا حق پہنچاتے رہو اور دولت

”وَ اِذَا الْقُرْبٰی حَقُّوْا لَیْسَ لَکُمْ اِلٰہٌ سِوَ اللّٰہِ

کو بیعت اڑاؤ کیونکہ دولت کو بیعت اڑانی دے شیطانوں کے بہانی ہیں اور شیطان پروردگار کا بڑا ہی ناشکر ہے۔“ اور اپنا

ان المبذورین کانوا اخوان الشیطان

وكان الشيطان لم يرد كفوراً
 « ولا تجعل يدك مغلولةً إلى
 عنقك ولا تبسطها كل البسط
 فتقعد ملوماً محسوراً »

نہ تو اتنا سیکڑو کہ گویا گردن میں بند ہے اور نہ
 بالکل اُسکو پھیلا ہی دو اگر ایسا کرو گے تو تم پر
 بیٹھے رہ جاؤ گے کہ تم کو ملامت ہی کو نیلے اور
 تم تیسرت ہی ہو گے۔

اسی طرح تواضع ایک محمود خصلت ہے جو انسان کو عزت اور شرف کے مقامات پر بلند کرتی ہے
 اور جس کی عادت ڈالنے کی اسلام نے بہکو ترغیب دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا ہے کہ وہ اگر کوئی متواضع شخص بالفرض کنوے کے اندر ہو تو خذہ ایسی ہوا کہ بیت جنت
 جو اُسکو بندی پر لے آتی ہے۔ مگر اسی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہکو اکاہ کیا کہ
 کہ اُس میں اس حد تک افراط نہو ناچاہیے جو دولت کے درجہ کو پہنچ جاوے اور بہکو متنبہ کیا کہ
 بعض لوگ ایسے ہیں جنکے سامنے تواضع اور فروتنی اختیار کرنا بہتر ہے اور بعض لوگوں
 کے ساتھ ترفع اور خود داری ادبی ہے۔ تاکہ ہر شخص جس طرح اپنی زبان سے ناصح ہو تاکہ
 اسی طرح وہ اپنے منہ سے ناصح ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے « جو شخص تمنا
 لئے واجب نہیں سمجھتا تو تم اُسکے لئے بھی واجب نہ سمجھو۔ جو شخص تمہاری استعداد تعظیم نہیں
 کرتا جس قدر کہ تم اُسکی کرتی ہو تو تم اُسکے ساتھ مت رہو۔ اگر تم میری امت میں تواضع کرنے
 والو کو دیکھو تو اُنکے ساتھ تواضع اور فروتنی سے پیش آؤ اور اگر متکبر و نکو دیکھو تو اُنکے ساتھ
 متکبر کرو۔ متکبر کے ساتھ تکبر کرنا باعثِ ثواب ہے »

غرض کہ اسی طرح بہکو اسلام اخلاق حمیدہ کے ٹیک ٹیک اندازہ کی تعلیم دیتا اور انکا
 حقیقی رستہ بتلاتا ہے تاکہ انسان نہ تو ایسا میٹھا ہو کہ لوگ اُسکو کھا جائیں اور نہ ایسا کڑوا ہو کہ
 توک دین جیسا کہ ایک حدیث کا مضمون ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جو ہر تہذیبی زندگی کے منافی اور

اور اُس کی ترقی میں سنگ راہ ہے۔

آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اُس قوم کے سرکشوں اور نافرمانوں کی بدی اور شرارت کی کیا نوبت ہوگی جسکے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ حد اعتدال سے تجاوز کر کے افراط کے درجہ کو پہنچ گئے ہوں گے۔ اگر شریروں سے ہر جرم میں معافی اور ہر گناہ سے درگزر اور ہر ایک شرارت سے چشم پوشی ہوگی تو انکی نالائقی اور ناہنجاری کس درجہ تک پہنچ سکتی۔ بلا شک و شبہ اسکا یہ نتیجہ ہوگا کہ سرکش زیادہ تر دیر کی کشتی اور جہر اعم کا ارتکاب کریں گے اور اس عامہ میں خلل انداز ہوں گے۔ اور ہمیشہ کے لئے ادب اور تہذیب سے محروم رہیں گے اور صرف یہی دونوں امر ہیں جن کی تکمیل سوائے سخت مسزادوں کے نہیں ہو سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”دنیا میں خدا کی حدود کو قائم کرنا چالیس دن کی متواتر بارش سے زیادہ تر موجب سرسبزی ہے“

تمدنی زندگی کی ایسی حالتیں ہیں جن کی نسبت محض سرسری اور سطحی طور پر یہی گفتگو کرنے کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ اس زندگی کے مشکلات کے حل کرنے کے لئے تمام فطری قوتوں کی بیداری اور ہوشیاری اور تمام اعضا کی چستی و چالاکی درکار ہوتی ہے۔ بلکہ یہ ایک مسلسل اور دائمی جنگ ہے جس میں انسان اپنے نوم ولادت سے زندگی کی آخری حق تک مصروف اور سرگرم گزار رہتا ہے۔ انسان کے جسمانی اور نفسانی مطالب اور زندگی کی ضروریات نے اس جنگ کا اعلان دیا ہے ہر شخص جو دنیا میں رفعت اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اُسکو اس ہوناک مقابلہ میں شریک ہونے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ خدا کی حکمت نے اس جنگ کی آگ کو اسلئے مشتعل کیا ہے کہ انسانی نفوس کی مخفی قوتیں ظاہر ہوں اور انسان اپنے اندرونی اسرار اور عجائبات سے

غافل نہ رہے۔ ”وَنبَلُوْكُمْ بِالْمَعْرِفَاتِ وَالْيَمَانَةِ تَرْجِعُوْنَ“

مثال کے طور پر خاندان کی حالت پر غور کرو۔ اگر کسی گمراہ نے کامر پر سمیت ضرورت سے زیادہ حلیم و سلیم ہوا اگر اس کے اخلاق حمیدہ حد اعتدال سے اس قدر بڑھے ہوئے ہوں گے کہ وہ اپنے خاندان کے بچوں کی تمام بدیوں اور شرارتوں سے ورگزر کرتا رہے گا تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس خاندان کی اخلاقی حالت کیسی ہوگی۔ کیا اس خاندان کے بچے اپنی بدی اور شرارت پر زیادہ تر ولیہ نہ ہوں گے؟ بیشک جس خاندان کو بدتمتی سے ایسا باپ میسر ہو گا اس کی حالت میں تعلیمی اور احتلال واقع ہونا ایک امر لازمی ہو گا۔ ہیں میں شک نہیں کہ ایسا باپ منصفانہ قانون کے اعتبار سے مجرم خیال کیا جائیگا اور اس کو اخلاق کے ایک معتدل طریقہ کی طرف منہائی کرنا واجب ہو گا۔ اگر باعتبار خاندان کے یہ بات صحیح ہے تو باعتبار سوسائٹی کے زیادہ صحیح اور واضح ہوگی۔

اسلام نے انسانی نفوس کو خواہشات کی افراط و تفریط سے بچایا اور انسان کو لئے ایک ایسا معتدل طریقہ قائم کیا جو سنن عالم اور قوانین زندگی کے ساتھ بالکل مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے اور جس کی بدولت انسان کا نفس حقیقی آزادی حاصل کر سکتا اور دنیا امن و اطمینان کے ساتھ ترقی کی تمام منزلیں طے کر کے کمال کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ سکتا ہے۔ ”اور مسلمانو! جیسے تھے تمکو ٹھیک قبلہ بتا دیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔“

”وَكُنْتُمْ أَشْهُدَاءُ عَلَى النَّاسِ وَكُنْتُمْ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا“

مقابلہ میں تم گواہ بنو اور تمہارے مقابلہ میں تمہارے رسول محمد گواہ بنیں۔

تصحیح الاعتقاد

ہم گزشتہ فصلوں میں نفس کو اوہام کی غلاظتوں سے بذریعہ صحیح علم کے پاک صاف کرنے کی ضرورت پر گفتگو کر چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ نفسانی صحت کا انحصار صرف اس بات پر ہے کہ نفس کی تمام خواہشوں اور رغبتوں میں قانونِ اعتدال کا لحاظ رکھا جائے۔ اب ہم نفسانی سعادت کی نسبت بحث کرنا چاہتے ہیں اور بتلانا چاہتے ہیں کہ نفس کیوں کر اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔

ہم بعض لوگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جو جسمانی صحت سے متمتع ہیں، دولت اور ثروت کا ایک محقول ذخیرہ ان کے پاس موجود ہے اور مختلف علوم و فنون میں انہوں نے تعلیم و تربیت پائی ہے مگر باوجود ان تمام باتوں کے انکو ہر وقت ایک قسم کی اندرونی گھبراہٹ اور ولی بے اطمینانی اور بے چینی اور سخت حیرت محسوس ہوتی ہے جو ان کی تمام راحتوں اور لذتوں میں شل کانٹے کے کھلکتی رہتی ہے۔ انکو اپنے دل میں ایک ایسا لکڑا دھڑکا ملا محسوس ہوتا ہے جسکا کوئی سبب انکو معلوم نہیں ہوتا اور جو صرف اسی وقت نما ہوتا ہے جبکہ آبِ آتشِ رنگ کا ایک گلاس انکی عقل کو زائل کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس پر فریغ اور دلدلاہ ہیں اور اُس کی مفارقت پر بالکل صبر نہیں کر سکتے کیونکہ انکی اندرونی رنج و ملال کی صرف یہی ایک دوا ہے۔

پس میں دریافت کرتا ہوں کہ باوجود جسمانی صحت اور مالی ثروت کے جن پر انسان سعادت کا دار و مدار سمجھا جاتا ہے اس اندرونی بے چینی اور اضطراب کا کیا باعث ہے

اور باوجودیکہ انہوں نے متعدد علوم و فنون کی تعلیم و تربیت پائی ہے جو دوسو سووں کے امراض کے لئے ایک مجرب دوا خیال کیجاتی ہے اس وجہ انی حیرت اور دلی وحشت کا کیا سبب ہے۔ ۹۔ کیا یہ اندرونی اضطراب ہو کہ نہیں بتا رہا ہے کہ نفس کسی دوسری چیز کا مشتاق ہے جس کا علم اگرچہ انسان کو نہیں ہے مگر اسکے آثار صاف صاف دلالت کر رہے ہیں؟ یہ چیز جس کا نفس مشتاق ہے نہ جسمانی صحت ہے نہ زیادتی دولت و ثروت نہ کثرت اولاد نہ عالی شان محلوں کی سکونت نہ مزیدار کما نوئی لذت اور نہ نعمات موسیقی اور دیگر قسم کی عیش و عشرت ہے۔ بلکہ یہ تمام چیزیں اُس کے مقابلہ میں بالکل بیچ اور تمام کائنات اُس کے سامنے محض لاشی ہے۔ وہ کوئی جلیل القدر چیز ہے کہ اگر وہ حاصل ہو جاوے تو نفس کو اطمینان اور سکون اور قناعت کی دولت حاصل ہو جاوے؟ بلاشبک شبہ وہ چیز صحت اعتقاد ہے۔ اسکی دلیل حسب ذیل ہے۔

نفس کی طبیعت ان ٹوس اجسام اور بے شعور مادہ کی طبیعت سے بالکل جداگانہ ہے۔ اسلئے وہ زمین کی حقیر اور ذلیل چیزوں کے ساتھ مانوس نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُسکی طبیعت محض نورانی ہے اسوجہ سے وہ نورانی چیز کے ساتھ مانوس ہوتا ہے جو زمین کی کثیف چیزوں کی تاریکیوں کو روشن کرتی اور نفس کو اُسکے اعلیٰ اور قدسی مقامات پر پہنچاتی ہے نفس کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے کہ وہ جسمانی خواہشات اور فانی لذات پر قناعت کر سکے۔ خواہ انسان دولت اور ثروت جمع کر کے اپنے نفس کو کتنا ہی مغالطہ دے مگر اس قسم کی باتوں سے اُسکے اضطراب میں سکون پیدا ہونا ناممکن ہے۔ ایسے شخص پر نفس متحرک و محنت قائم کرتا رہتا ہے تاکہ اُسکو سید ہے رستہ کی ہدایت ہو۔ پس اگر وہ غور و فکر کر کے اس راز کی حقیقت کو سمجھ لیتا ہے اور نفس جس چیز کا مشتاق ہے اُسکے لئے میا کرتا ہے

توفیر اُس اندرونی اضطراب میں سکون اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ انسان کیسے ہی سخت مصائب اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو۔ نفس کی ہمتا کس ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے اسکا ذریعہ صرف عقل ہے ”الدین هو العقل وکلام الدین لمن (اعقله)۔“

عقل نوع انسان کی بہترین خصوصیت اور خدا کی افضل ترین نعمت ہے۔ جو انسان عطا ہوئی ہے۔ جس مقصد کے لئے یہ عظیم الشان نعمت عطا ہوئی ہے اگر اسی مقصد میں استعمال کیجائے اور اسکی صحت اور اعتدال قائم رکھنے کے لئے توجہ مبذول کیجائے تو اُس سے حیرت انگیز نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ عقل کے ذریعہ سے انسان اس عظیم الشان عالم کے اسرار کا سراغ لگاتا اور قوانین فطرت جو اُس پر مسلط ہیں انکو دریافت کرتا ہے اور اس طرح پر خالق کے وجود اور اس کے انحال کے غش سے سنبھلنے پر اسے استدلال کرتا ہے اور نیز اس کے علم اسکی تدبیر اور حکمت اور قدرت پر ایسے محسوس دلائل مشاہدہ کرتا ہے جنہیں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں ہوتی۔ انسان عقل کے ذریعہ سے انسانی گردہوں کے حالات پر غور کرتا اور انکی پستی اور بلندی اور ترقی اور تنزل کے باب کو دریافت کرتا ہے۔ عقل ہی ہے جو انسان انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات میں خوض کرتا ہے جنکو خدا مخلوق کی ہدایت اور تلقین کے لئے مبعوث فرماتا ہے اور ان کی شریعت اور ان کے آثار میں غور کر کے جو انہوں نے چھوڑی ہیں نوع انسان کے لئے نبوت کی ضرورت پر خیالات اور احساسات اور مذاہب کے اختلاف خدا کی حکمت پر استدلال کرتا ہے۔ عقل ہی کے ذریعہ سے انسان گدشتہ اور موجودہ حالات میں امتیاز کرتا ہے اور مذاہب خاصہ اور مذاہب عام میں فرق کرتا ہے۔ اور اعلیٰ مسائل اور بیسیات کے ذریعہ سے اُس مذہب سے واقف ہوتا ہے جو تمام مذاہب کا ختم کرے اور ابداً باقی رہنے والا ہے۔

خدا کی حکمت اور قدرت اس امر کو مقتضی ہوئی کہ وہ کائنات کو ایک ایسی مستحکم تہیہ کر کے
ساتھ پیدا کرے جو عذر کرنے والوں کے لئے خاموشی کی زبان میں بولتی اور فکر کرنے والوں کے
سامنے وضاحت کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے۔

عقل سے عبرت حاصل کرنے کے بغیر نفس اپنے عقیدہ کی تصحیح نہیں کر سکتا اور
اسی بنا پر اس کے اضطراب میں سکون بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس سے انکار نہیں کہ نوع
انسان پر ایک ایسا زمانہ گذرا ہے جبکہ انسانی عقل اپنے پھپھن کی حالت میں تھی۔ اُس وقت
ایمان لانے کے لئے اُسکو یہی بات کافی تھی کہ وہ بعض خارق عادات امور و میکہ جبران
ہو جائے۔ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف پیغمبر مبعوث فرماتا تھا اور ان کو ایسی نصیحتیں
سے متنازع کرتا تھا جنکے اسرار دریافت کرنے سے اُنکی عقلیں قاصر ہوتی تھیں اور ان کو حیرت
دانگیں ہوتی تھی اور اسلئے وہ اس قسم کے معجزات اور خارق عادات کو دیکھ کر رسول کی صداقت
اور اُسکے اتباع کی ضرورت پر ایمان لاتے تھے۔ مگر اُس وقت جبکہ نوع انسان اپنے پھپھن
کے زمانہ سے گزر کر سن فیز کو پہنچ چکی اور انسانی عقل کی تکمیل ہو چکی ہے معجزات اور خارق
عادات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علمی مواد کی کثرت سے بیشمار شکوک اور شبہات
پیدا ہو گئے۔ اگر اُس وقت کوئی عجیب اور غیر معمولی واقعہ ظاہر ہوتا ہے تو سب سے پہلے اُسکو
مکاری اور عیاری کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اگر اس اہتمام سے اُس کی بریت ظاہر
ہو جاتی ہے تو اس عجیب واقعہ کی بیشمار وجوہ اور تاویلات کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں پورے
میں روحانیوں (اسپیچلسٹ) کا ایک نیا گروہ پیدا ہوا ہے جس سے ایسے عجیب و غریب
اور خارق عادات امور ظاہر ہوتے ہیں جنکو دیکھ کر جیسا سب سے بڑا معجزہ خیال کرینگے
حالانکہ یہ گروہ نبوت اور رسالت کا مدعی نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو حیرت انگیز امور

اس گروہ سے ظاہر ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی قسم سے نہیں ہیں لیکن وہ بلا شک و شبہ ظاہر ہیں لوگوں کی نظر میں معجزات کی اہمیت کو بالفرد و کم کرنے والے ہیں۔

اس دعوے کی موید کہ ان اخیر صدیوں میں معجزات کے مسائل کو رواج نہیں ہو سکتا ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ علماء یورپ گذشتہ زمانہ کو تمام معجزات کی تکذیب کرتے ہیں یہ اگرچہ انکی ہٹ دہرمی ہے لیکن انکے اس قول کی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا کہ ”ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس میں اعتقاد کے لئے عقلی روشنی اور علمی دلیل کے سوا کوئی چیر معینہ نہیں ہو سکتی۔ مسیو نہری برنجیہ نے ریویو آف ریویوز مطبوعہ ۱۵۱۹ء میں لکھا ہے کہ علم اور تاریخ سے ان تمام معجزات کا بطلان ثابت ہو چکا ہے (معاذ اللہ) مگر وہ روح کا ہرگز انکار نہیں کر سکتے جو انکے لئے مبعوث ہوئی ہے۔ ہر کو کسی معجزہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارا ابد الابد تک باقی رہنے والا معجزہ عظیم الشان عالم ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ یہ زندہ معجزہ ہمارے دینی احساسات کو بیدار کرنے کی تمام گذشتہ معجزات کی نسبت زیادہ ضرر صلاحیت رکھتا ہے“

یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام معجزات اور خارق عادات سے قطع نظر کے عقلی برہمیت اور علمی مسائل کے ذریعہ لوگوں کو راہ حق کی طرف دعوت کرتا ہے۔ کیونکہ خدا کو معلوم تھا کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں انسانی عقول پر معجزات اور خوارق عادات کی نسبت علمی مسائل زیادہ تر موثر ہونگے بیشک اسلام عقل کی طرف خطاب کرتا اور فکر سے محاسبہ کرتا ہے وہ لوگوں کو خدا کے وجود اور اس کی توحید اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی طرف دعوت دیتا ہے مگر اسی کے ساتھ وہ انسانی عقل کو ان جتنی دلائل اور براہین کی طرف متوجہ بھی

جو ان مسائل کے مؤید ہیں۔

خدا کو معلوم تھا کہ بعض لوگ جو بڑی اور عظمت حاصل کرنے کے خواستگار ہونگے وہ مذہب میں ایسی باتیں ایجاد کرینگے جن کے ذریعے سے وہ عوام الناس کو اپنا غلام اور اپنی خواہشات کا تابع کر سکیں۔ اسلئے اپنے اخیر مذہب میں خدا اہب کا ختم کر نیا لایا ہے ، قرار دیا کہ اس قسم کی ہر ایک دعوت پر علمی دلیل طلب کرنا چاہئے کیونکہ یہی ایک غیر پر جو حق و باطل میں امتیاز کر نیوالی اور اہل باطل کی ہتھکنو پست کر نیوالی ہے خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

”فویل الذین یکتبون الکتاب
بایدیمھم نہ یقولون هذا
من عند الله لیستروا به
ثمنا قلیلا فویل لھما لکتبت ایحدیمھ
وویل لھما لیکسبون“
”تلھا تو ابرھا شکمان کنتہ
صادقین“

”پس افسوس جو ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے
تو کتاب لکھیں پر لوگوں نے کہیں کہ یہ خدا کی بات
سے اتری ہے تاکہ اُسکے ذریعے سے تھوڑے
سودام یعنی دنیوی فائدہ حاصل کریں۔ پس افسوس
ہو ان پر کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں لکھا اور پر افسوس
ہو ان پر کہ وہ ایسی کمائی کرتے ہیں۔ ای وغیرہ ان لوگوں
سے کہو اگر سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔“

مذہب اسلام ان لوگوں کو سخت ملامت کرتا ہے جو اپنے آباء و اجداد کی انداد و سنت
تقلید کرنے کے عادی اور انکے باطل اعتقادات پر بغیر تحقیق اور غور و فکر کے ثابت قدم رہیں
اور انکو انجام کی خبرانی سے ڈراتا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔

”واذا قیل لھم
لھاوا الی ما افل الله
والی الرسول فاولوا
اور جب ان لوگوں نے کہا جاتا ہے کہ جو قرآن اور اُذاتارا ہے
اُسکی اور رسول خدا کی طرف چلو اور جو حکم دیں سو انو اسکے
جواب میں کہتے کیا ہیں کہ جس طریقہ پر سمجھنے اپنے باپ دادا کو

حسبنا ما وجدنا له آباءنا واولوئنا: اباء مھلا یعقلون شیئاً دکانھم دون ہوں اور نہ راہ راست پر رہے ہوں

اسلام نے قرار دیا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کی یہ محبت مفید نہیں ہو سکتی کہ اُس نے دوسرے شخص کی تقلید کی ہے کیونکہ خود اُس کو بھی عقل دی گئی ہے جو حق و باطل اور نفع و نقصان میں تمیز کر سکتی ہے۔ خدا نے فرمایا ہے ” اور ایک وقت ہو گا کہ دوزخی

” واذ یحاجون فی النار فیقول الضعفاء للذین استکبروا انا کنا لکم تبعاً فھل انتد معنوز عنا نصیباً من النار۔ قال الذین کفروا انا کنا فیھا ان اللہ قد حکم بیننا وھلوا لو کنا لنھم اولھنقل ما کنا لھم صحاب السعیر“

ایک دوسرے دوزخ میں جھگڑینگے تو ادنیٰ درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارا تلمذ تھے تو اب تم تو بڑی سی آگ ہی ہم پر سے ہٹا سکتے ہو بڑے لوگ کہیں گے کہ اب تم تم سب اسی آگ میں پڑے ہیں اللہ تو اپنے بندوں کو بارہ میں جو کچھ حکم دینا تھا سو دے چکا۔

” اور یہ لوگ دوزخ کے فرشتوں سے بھی کہیں گے کہ اگر تجھے پیغمبر کے کھنکھو سنایا سمجھا ہوتا تو آج کو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔“

اسلام نے ہمارے سامنے نہایت بلیغ عبارت میں توحید کی ہے کہ صرف توحید پر مذہب اور اعتقاد کا وادہ رہے۔ جس شخص نے اُس کو ضائع کر دیا ہے اُس نے سخت گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے نفس کو سخت مصیبت میں ڈالا ہے کیونکہ اُس کے ضائع کر دینے

ایک ایسی بڑی چیز ضائع کر دی ہے جس پر قیامت کے دن اعتماد اور بہرہ رسد ہوتا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

” وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ

أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَذَا

بِرَّهَا أَتَكْمُنُ فَعَلِمُوا أَنَّ

الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا

كَانُوا يَفْتُرُونَ ”

” اور ہر ایک امت میں سے ہم ایک گواہ یعنی پیغمبر کو لے کر لینگے اور وہ کافروں کے خلاف گواہی دینگے پھر ہم امت کے لوگوں سے کہیں گے کہ اپنی برأت کی دلیل پیش کرو اُسے اُن لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ حق بجانب خدا ہے۔ اور دنیا میں جیسی جیسی جہنمی باتیں لے بنایا کرتے تھے اُس دن سب گئی گدھی ہو جائیں گی۔“

غرض کہ یہ قوام میں جو اسلام نے اعتقاد کے بارے میں قرار دے دیے ہیں اور یہ اُس عام مسلمہ اصول کے ساتھ بالکل مطابق ہیں جس پر ان اخیر صدیوں میں روئے زمین کے جمہور حکماء نے اتفاق کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس قول کی تائید دلائل سے نہیں ہوتی اس کو بھول جانا چاہئے آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ایک مسلمان کے عقائد میں جو اسلام کی حقیقت سے واقف ہے کیونکر بخلاف واقع ہو سکتا ہے جبکہ وہ ہر وقت اپنے وجدان میں باطل اور ادا و نام اور مکر ایسے روکنے والی یہ آواز سنتا ہے۔

” وَكَانَ حَقِّقَ مَا لَيْسَ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالْغَوْا أَعْلَانِ
وَالْبَصْرُ وَالْفُؤَادُ كُلُّ أُولَٰئِكَ
أَعْلَانٌ عِنْدَ مَنْشُوكِ ”

” اور اے مخاطب جس بات کا تجھ کو علم نہیں
اُکل پچا اسکے پیچھے نہ ہویا کرو۔ کیونکہ کان
اور آنکھ اور دل ان سب سے قیامت کے
دن پوچھ گچھ ہوتی ہے۔“

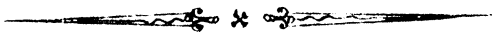
بلکہ ایک مذہب مسلمان ہوا وہ جس کی کشش سے کس طرح ہر گمراہی اور کج روی خفیہ کر سکتا ہے جبکہ قرآن مجید کی یہ آیت جس میں منافقوں کی حالت بیان کی گئی ہے جو گمراہی

اختیار کرتے اور اُس پر قائم رہتے اور اپنے نفوس کو خرافات کی تصدیق کے لئے وقف کر دیتے ہیں اُسکے صفحہ دیگر منقوش ہے۔

”وہت دذرا انا لجمہم کثیرا
من الجن والانس لهم
قلوب لا یعقلون بها
ولهم اعیین لا یبصرون
بها ولهم اذان لا
یسمعون بها اولئک
کالانعام هل ھم اھل
اولئک ھم العقلون۔“

”اور ہم نے بہتر سے جن اور انسان
جنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں اُنکے
دل تو ہیں مگر اُن نے سمجھنے کا کام نہیں لیتے
اور اُنکی آنکھیں ہی ہیں مگر اُن نے دیکھنے کا کام
نہیں لیتے۔ اور اُنکے کان ہی ہیں مگر اُن نے سُننے کا کام
نہیں لیتے۔ غرض یہ لوگ چار پانچ کی مثل ہیں بلکہ
اُن سے بھی گئے گزریے ہوئے۔ یہی وہ لوگ
ہیں جو دین سے بالکل بیخبر ہیں۔“

اے خدا! تو ہکھو اپنے دین میں بصیرت دے جو سچی تہذیب اور حقیقی شائستگی کا
دین ہے اور ہکھو اُس کی سیدی راہ پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرما اور ہمارے خیالات
پر باطل اور ہام کا جو رنگ اُگیات ہے اُس کو اپنی رحمت سے دور کر۔ بیشک تو تمام دماؤں کا سُسنے
والا اور قبول کرنیوالا ہے۔



جسمانی ضرورتیں

نسانی ضروریات کی نسبت ہم اپنی گفتگو ختم کر چکے ہیں اب ہم کو صرف جسمانی ضرورتوں کی نسبت گفتگو کرنا باقی ہے۔ ان دونوں قسم کی ضروریات کے باہم متحد اور متناسب ہونے سے انسان کو روحانی اور مادی سعادت و فلاح حاصل ہو سکتی ہے جس کے لئے وہ ابتدائے آفرینش سے لیکر اس وقت تک کوشش کر رہا ہے۔ مادی سعادت و دولت پر موقوف ہے۔ حفظانِ صحت اور جسمانی امور میں اعتدال۔ پس ہم ان دونوں کی نسبت علیحدہ علیحدہ فصلوں میں بحث کرتے ہیں۔

حفظانِ صحت

ہم پہلی فصلوں میں بیان کر چکے ہیں کہ عقلی صحت جو انسان اور حیوان کے درمیان ماہ الامتیاز ہے جسمانی صحت کے ساتھ نہایت قوی تعلق اور گہرا ارتباط رکھتی ہے انسان کو حالات پر سربرسری غور کرنے سے اس مسئلہ کی صداقت معلوم ہو سکتی ہے۔ مذہب دنیا کے حکمانے اس مہتمم باشان بید کا سراغ لگایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اصولِ حفظانِ صحت کی توضیح و تشریح میں جن سے قوائے جسمانی کی حفاظت ممکن ہے نہایت اہتمام کرتے ہیں تاکہ بچوں کو عقلی قوت کے بڑانے والے اصول کے ساتھ ساتھ ان اصول کی تعلیم و تربیت

دیجائے۔ یہ اصول انہوں نے اس خیال سے قرار دئے ہیں کہ تمام مذاہب جسمانی صحت کو براہ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ آخرت کی ابدی نعمتوں کا صرف اُسی شخص سے وعدہ کرتے ہیں جو اپنے جسمانی امور سے باطل کیسو ہو کر صرف روحانی خدمات میں مصروف رہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مذاہب کی طرف بعض معیوب اور نامناسب باتیں منسوب کی ہیں جن کا ہم اس مقام پر نقل کرنا ضروری نہیں خیال کرتے۔ بلکہ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے حقیقی حفظانِ صحت کے قواعد و ن کرنے میں جن کی بنیاد عقلی اور جسمانی صحت کے باہمی تعلق اور ارتباط پر ہے، روئے زمین کے تمام حکماء پر سبقت کی ہے اور انکو خجالتِ ایمانی اصول کے قرار دیا ہے اور اپنے تمام پیروں کو ان قواعد کی پابندی کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی ہے۔ اور اس امر کی تصریح کی ہے کہ صحت خدا کی ان تمام نعمتوں میں جو انسان کو عطا ہوئی ہیں بہترین نعمت ہے۔ سو اسے لکھ تجیر کے کوئی چیز معلوم مرتبہ میں اس سے افضل نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”اے معافی اور صحت کی خدا کی جناب میں دعا کرتے رہو کیونکہ ایمان کے بعد صحت سے بہتر کوئی نعمت بندوں کو نہیں دی گئی۔“

اسلام نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اسنے حفظانِ صحت کے بنیادی اصول مثلاً اصفائی اور پاکیزگی اور جسمانی اور عقلی۔ یا سخت کی تاکید کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”اپنی ایمان کا ایک حصہ ہے۔ کیسٹوں میں جو خیر خدا کی نزدیک زیادہ تر پسند ہے وہ گھوڑہ دوڑاؤ تیراڑی ہے۔ وقتاً فوقتاً اپنی دلوں کی تفریح کرتے رہو۔“

مذہبِ اسلام امراض کو خدا کا عذاب خیال کرتا ہے، جو تو انہیں مقررہ کی مخالفت اور اصولِ حفظانِ صحت کی نافرمانی سے بند و پیر نازل ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

یہ حدیث صحیحہ ہے۔ اسکو مسلم اور ترمذی نے ابوالمکالم الاشری سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیحہ کامل بن عبد بن عمر سے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث صحیحہ ہے۔ اسکو مسلم اور ترمذی نے ابوالمکالم الاشری سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیحہ کامل بن عبد بن عمر سے روایت کیا ہے۔

نے فرمایا ہے کہ ”مرض ایک خدائی نازیبا نہ ہے جس سے خدا اپنے بندوں کی تادیب فرماتا ہے پس ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جب اُسکو کوئی مرض عارض ہو تو اُسکو اپنی زندگی کے معاملات میں اعتدال کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اور یہ امر ایسے حاذق طبیب کے مشورہ کے بغیر ناممکن ہے جو طبی قواعد اور قوانینِ صحت میں پوری مہارت رکھتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ اے خدا کے بندو! مرض کی دوا کیا کرو کیونکہ خدا نے کوئی مرض ایسا پیدا نہیں کیا جس کی دوا نہ پیدا کی ہو“ طبی قوانین میں مہارت کی قید ہم نے اسوجہ سے بڑھائی ہے کہ اسلام محکومکاروں اور وجالیوں کے دامِ فریب میں پھنسے ہوئے ہیں کرتا اور انکو صحت جو ابہر ہی سے ڈراتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”میں تعجب و لہولہاء منہ طب فصوصاً من“

پہرا اگر حاذق طبیب کسی مرض کے علاج سے عاجز ہو جائیں اور معالجمیں حتی الوسع کوشش کے بعد انسان کو کامیابی نہ تو اس صورت میں اسلام تکلیف پر صبر کرنا یا اس کے واسطے بہترین جراحہ کا وعدہ کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارا سچا مذہب جہانی کمزوری کو منجملہ ان امور کے شمار کرتا ہے جن کی وجہ سے انسان درجات کے حاصل کرنے میں پیچھے رہ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اکثر اوقات کار و بار زندگی میں افراط اور نہ ہی فرائض میں شستی اور کاہلی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسوجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”توی مسلمان ضعیف مسلمان سے بہتر ہے“

اسلام کسی مسلمان کے لئے کسی غرض سے حتی کہ عبادت کی غرض سے بھی یہ بات جائز قرار نہیں دیتا کہ وہ اپنی صحت کے معاملہ میں غفلت اور سستی کرے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

۱۰ یہ حدیث صحیح ہے۔ اسکو ابو داؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے بن عمرو سے روایت کیا ہے۔

ترجمہ۔ جو شخص باوجود علم طب سے ناواقف ہو بھیجئے علاج کرتا ہے وہ ذمہ دار ہے۔

نے بیان کیا ہے کہ ”مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بسیل تہذیب) فرمایا کہ اے عبد اللہ! کیا جھکو خیر نہیں دی گئی کہ تو ہمیشہ دن میں روزہ رکھتا اور تمام رات بیدار رہتا ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا مت کر۔ روزہ ہی رکھ اور افطار ہی کر رات کو عبادت ہی کر اور نیند ہی لے۔ کیونکہ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے (کہ تو اس کو زیادہ تکلیف میں مبتلا نہ کرے تاکہ بیمار اور ہلاک نہ ہو جاوے) اور تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمانوں اور ملاقات کرنے والوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اسے روزہ ہی نہیں رکھا۔ ہر مہینہ تین روزے رکھ اور ہر مہینہ تیس دن ختم کر مینے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ طاقت کتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب کو صوم داود کے مطابق روزہ رکھنا چاہے جو فضل الصوم ہے ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا۔ اور ہر سات راتوں قرآن ختم کر اور اس سے زیادہ مت بڑھا۔“

اس میں شک نہیں کہ یہ تمام قواعد ایک مسلمان کو حفظانِ صحت کا نہایت سمجھنا پانے کے لئے کافی ہیں۔ اور یہی وہ غرض ہے جس کے لئے اس زمانہ کے فلاسفہ کوشش کر رہے ہیں اور عام لوگوں کے ذہن میں یہ بات نقش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ صفائی اور پاکیزگی اور حفظانِ صحت کا نہایت اہتمام رکھیں، تاکہ امراض میں کمی ہو اور متعدی بیماریوں کو مصائب میں تخفیف ہو۔

۱۰۔ یہ حدیث بخاری سلم ترمذی ابوداؤد سنائی اور ابن ماجہ میں مروی ہے ہم نے بخاری اور مسلم کے الفاظ کو مطابق ترجمہ کیا ہے۔ ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ اور سنائی میں یہ تغیر بعض الفاظ مودی ہے۔ مترجم



جسمانی امور میں اعتدال

ہر شخص جانتا ہے کہ اسکے پیچھے بہت سی جسمانی ضرورتیں لگی ہوئی ہیں اور وہ سب کی سب بشرط اعتدال زندگی کے لئے لازمی ہیں۔ مثلاً غذا جو زندگی قائم رکھنے کے لئے شرط اول ہے اگر بافراط استعمال کیا جائے یا اگر اس میں اصول حفظانِ صحت کا لحاظ نہ رکھا جاوے مثلاً متناقض افعال غذائیں ایک ساتھ استعمال کیا جائیں تو ایسی صورت میں وہی غذا موجب ہلاکت ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے تمام دنیا کے الٹا اور ڈاکٹر و نکاحیات پر اجماع ہے کہ انسان کی صحت قائم رکھنے کا جو ذریعہ سب سے بڑا ہے وہ جسمانی خواہشات میں اعتدال ہے۔ یہی اصولی قاعدہ مذہب اسلام نے قائم کیا ہے۔ اس نے لطیف اور پاکیزہ چیزوں میں سے کوئی چیز ہمارے لئے حرام نہیں کی۔ بلکہ اس نے تمام صحیح بخش چیزوں کا کھانا اور پینا مباح قرار دیا ہے بشرطیکہ ہم صدا اعتدال سے تجاوز نہ کریں۔ خدا نے فرمایا ہے۔

”قل من حرم ذیقۃ اللہ“ اے پیغمبرانِ لوگوں سے پوچھو کہ اللہ کی اخراجِ عبادہ والطیبات امد نے جو زینت کے سامان اور کھانگی ستھری من الرزق، ”کلووا واشربوا“ چیزیں اپنی بندوگنے لئے پیدا کی ہیں انکو کسو ضرر کیا ولا اشرہوا“ ہے، ”کھاؤ اور پیو فوضو غری مت کرو۔“

اسلام میں زہد کے معنی نہیں ہیں کہ لذیذ اور نفیس چیزوں اور شیریں اور خوش ذائقہ پہلوں سے اجتناب کیا جائے اور نفس کو اسکی تمام خواہشات سے محروم رکھا جاوے۔ ایسا زہد تمدنی زندگی کے سنانی اور تہذیب کی عمارت کو منہدم کر دینا الہی اسلامی اصول ہی

باکل خراج ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔
 ”یا ایھا الذین آمنوا
 لا تحرموا طبیبات ما احل
 اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ
 لا یحب المعندیین۔ و
 کلو اما رزقکما اللہ حلالا
 طیباً واتقوا اللہ الذی انتوبہ
 من منون“

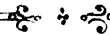
”سلمانو! خدا نے جو ستیری چیزیں تمہارا
 لئے حلال کر دی ہیں۔ ان کو اپنے اوپر حرام
 مت کرو اور جو سے بھی مت بڑھو۔ کیونکہ اللہ
 سے بڑھنے والو کو مودت نہیں رکھتا۔ اور خدا
 نے جو تم کو حلال اور ستیری روزی دی ہے اسکو
 بنے مال کماؤ اور جس خدا پر تمہارا ایمان ہے
 اُس سے ڈرتے رہو“

بحث کے اس سلسلہ میں ہم صرف اس قدر اور کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارا سچا مذہب دنیا
 کی نفیس اور صحت بخش کمانے کی چیزوں سے منع نہیں کرتا اسی طرح وہ ہر کوئی خوبصورت اور
 خوش آئند لباس کے استعمال سے بھی نہیں روکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا ہے کہ ”اگر کوئی شخص مقتدر رکھتا ہو تو اُسکے لئے کچھ ممانعت نہیں ہے کہ وہ دو کپڑے
 خاص کر جمعہ کے واسطے بنائے، علاوہ اپنے معمولی کاروباری کپڑے کے،“ مذہب اسلام
 نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ ہر کمزیر و زینت کی ترغیب دیتا ہے، جبکہ وہ کسی
 گناہ اور نافرمانی کے لئے نہ ہو، بلکہ اُس سے محض خالق کی رضا جوئی اور اُسکے گراں با
 فضل و انعام کا اظہار و اعلان مقصود ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
 ”بس کسی کے بال ہوں تو اُسکو انکی عزت کرنی چاہئے،“ یعنی لنگھا کر نا اور انکو آراستہ کرنا
 چاہئے۔ اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ ”خدا ہر ایک اچھی خوشبودارے اور پچے لباس والے
 بندے کو پسند کرتا ہے،“ ایک شخص جو شکستہ حالت میں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کہ تیری دولت کس قدر ہے؟ اس نے کہا کہ ہر قسم کی دولت خدا نے مجھ کو عطا فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب خدا کسی بندہ کو نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ اس بندہ پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا پسند کرتا ہے۔



خاندانی اصلاح



مذہب اور تمدن قوموں میں خاندانوں اور خاندانوں کو ایک نہایت متمم و پائیدار چیز خیال کیا جاتا ہے کیونکہ قوم سے انکو وہی نسبت حاصل ہوتی ہے جو افراد کو چھوٹے چھوٹے خاندانوں سے ہوتی ہے۔ کیونکہ افراد کی اصلاح کے لئے خاندانوں کی اصلاح لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوموں کے خاندانوں کو اصلاح کے لئے سب سے پہلے اپنی تہذیب و تمدن کی اصلاح اور افراد کو ان قواعد کی تعلیم نہیں صرف کرتے ہیں جو علمی طریقہ پر خاندانی نظامات کی درستی اور اصلاح میں معاون ہیں۔ خاندانی معادت و فلاح کا جو پوشیدہ راز ہے وہ دو اصولی باتوں پر منحصر ہے۔ اول ان کی ادبی اصلاح اور دوسری مادی اصلاح۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں باتیں خاندان کے سرپرست پر موقوف ہیں اور انکا ادا کرنا بھی شریعت کے نزدیک مثل بڑے بڑے فرائض کے لازمی ہے۔ غرضکہ اس طرح خاندان کے سرپرست کے ذمہ دو فرض عائد ہوتے ہیں جنکا ادا کرنا لازمی اور لازم ہوتا ہے۔



پہلا فرض خاندان کی ادبی اصلاح

ہر شخص کو خاندان کی ادبی اصلاح کا فرض ادا کرنے میں دو اصولی باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ وہ اپنی عورت کو تمام خاندانی معاملات میں اپنا شریک سمجھے اور اس کی واجبی تعلیم و تکریم میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھے۔ اور دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو خاندان کے ان بچوں کا مربی اور سرپرست خیال کرے جو عنقریب مثل اُسکے خاندان کے مہر پرست اور اُس قوم کے نمبر ہونے والے ہیں جس پر ان کی اچھی یا بری تربیت کا اثر پڑے گا۔ اور اس امر کا یقین رکھے کہ قوم میں کبھی ایسے افراد پیدا ہونگے جو کہ شکوہ دولت اور ادب و بارگاہی کے تحت اثر میں گرا دیئے گئے اور یہ دونوں باتیں صرف بچپن کی تربیت پر منحصر ہیں اور نیز یہ کہ خاندان کا سرپرست اُن تمام جرائم کا جواب دہ ہے جو اُسکے خاندان کے افراد سے بوجہ سوسائٹی تربیت کے سرزد ہوتے ہیں۔ یہی اصول ہیں جو جدید تمدن کی شریعت نے نافذ کئے ہیں اور چنانچہ خاندانی تربیت کے تمام مسائل کا دار و مدار ہے۔

اسلام نے تمام دنیا سے پہلے ان اصول کو قائم کیا ہے۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے عورتوں کی واجبی تعلیم و تکریم کی ترغیب میں فرمایا ہے کہ ”جو شخص صاحبِ عزت ہے وہ عورت کو بھی عزت کرتے ہیں اور جو باجی ہیں اُنکی توہین کرتے ہیں“

اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ مَا اَلَمْزَ الْمَرْءُ اَلْمَرْءَ اَلَا تَرْيَا اَلَا اِهَانَتًا ۚ

لَيْسَ

اور فرمایا ہے کہ ”غزوہ کو انکی مرضی پر چھوڑ دو“۔ ”فُتُنِ مَجدِکِیَ آیت“ ”وقل سب ادمو
ہما کما ازیانا صغیرا“۔ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ بچوں کی تہذیب و تربیت میں عورت
کو بہت کچھ دخل ہے۔

دوسرے اصول کو اسلام کے ساتھ منطبق کرنے کے لئے صرف ایک جامع حدیث
کافی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوسرے میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر
ایک راعی سے اُسکی رعیت کی بابت سوال کیا جاوے گا، اس نص صریح سے صاف طور پر معلوم
ہوتا ہے کہ خاندان کے تمام افراد کی ذمہ داری صرف باپ کی طرف عائد کی گئی ہے اور اُن کو
اچھی خصلتوں اور شرفیاءِ علوتوں کے مطابق تربیت کرنا اُسکے ذمہ فرض کیا گیا ہے اور اگر وہ
ایسا نہیں کریگا تو اس مجرمانہ غفلت کی نسبت کی اُسکو جواب دی کرنی پڑے گی اور اُس سے کہا جائے گا
”یا راعی السوء اکلک اللحم و شربک اللبن و لم یؤلفک الله و لم یجبرک الله“ (حدیث قدسی)

۱۔ ابن عدی نے کامل میں اس حدیث کو ابن عمر سے روایت کیا ہے جلال الدین سیوطی نے جامع صغیر
میں اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔ (مترجم)

۲۔ ترجمہ۔ کہ اے خدا تو ان دو نوپر رحم کر جیسا کہ انہوں نے بچپن کی حالت میں مجھ کو پرورش کیا ہے
۳۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔
(مولانا ظلیل احمد حفظہ اللہ)

۴۔ ترجمہ۔ اے نالائق چرواہے تو نے گوشت کھایا اور دودھ پی لیا۔ نہ بچے ہوئے کو پناہ دی
اور ٹوٹے ہوئے کو جوڑا۔ آج میں تجھے انتقام لوں گا۔

دوسرا فرض خاندان کی مادی اصلاح

جو باتیں ہم نے خاندان کی ادبی اصلاح کی نسبت بیان کی ہیں ان کا عمل میں لانا بالکل مادی اصلاح پر منحصر ہے۔ کیونکہ سب سے اول جس ضرورت کا انسان کو احساس ہوتا ہے وہ جسمانی حفاظت کی ضرورت ہے مگر جو شخص اس شدت ضرورت کے متعلق کافی سامان مہیا نہیں کر سکتا اُس کے دل میں ادبی امور کے لئے کوشش کر نیکی تحریک ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی جس خاندان کی یہ حالت ہو کہ نہ اُس کے افراد کو کافی اور مناسب غذا میسر آ سکتی ہو جس سے ان کی زندگی قائم رہ سکے اور نہ ایسا مکان مہیا ہو جس میں وہ اپنے تئیں بارشوں اور آندھیوں اور ادلوں سے محفوظ رکھ سکیں اور نہ ایسا لباس میسر ہو جس سے وہ گرمی سردی کی تکالیف سے محفوظ رہ سکتے ہوں، تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس بد نصیب خاندان کی کیا نوبت ہوگی؟ غابر ہے کہ یہ خاندان وحشت اور جہالت کے بہت ترین درجہ میں پہنچ جائیگا۔ اور ضرورت کی وجہ سے اُس کے افراد سے وراثت اور کینہ پن اور مال لائق اور ردِ ذلیل حرکتیں سرزد ہوگی۔ علاوہ انہیں اگر خاندان کو کافی غذا اور ضروری لباس و مکان ہی میسر ہوتا ہے ہم یہ باتیں اُس خاندان کے حق میں کچھ مفید نہیں ہو سکتیں، تاوقتیکہ اُس کے سرپرست کے پاس اس قدر کافی روپیہ موجود نہ ہو کہ وہ اپنے بچوں کو سکولوں اور کالجوں میں بھیج سکے اور اُن کے لئے معلم اور مربی مہیا کر سکے۔ ان تمام گذشتہ بیانات سے بالضرور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خاندان کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو نہایت فیاضی کے ساتھ اُس کے افراد پر اپنا روپیہ صرف کرے۔

اگر اُسکے پاس روپیہ نہ ہوگا تو بعض اوقات یہ امر اُسکے لئے نہایت بدحالی اور بدبختی کا باعث ہوگا۔

بلاشبک و شبہ یہی اصول اسلامی شریعت نے قائم کئے ہیں رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے ”جس شخص کو خدا نے وسعت دی اور اُس نے اپنے عیال پر تنگی لگی تو وہ ہم میں سے نہیں ہے“ اور نیز فرمایا ہے کہ ”مرد جس قدر کہ اپنے بیوی بچوں اور خادموں پر صرف کرتا ہے وہ اُسکے لئے صدقہ اور باعث ثواب و اجر ہے“ خاندان پر صرف کرنے لے لے اس سے زیادہ اور کیا ترغیب ہو سکتی ہے۔

مذہب اسلام نے جو عظیم الشان مرتبہ خاندان کو عطا کیا ہے اور اسپر صرف کرنیکی تاثیرات کو جس حد تک تسلیم کیا ہے اُس کی کسیت قدر توضیح اس حدیث سے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ ”ایک تین دینار تو نے خدا کی راہ دیا اور ایک دینار کسی غلام کے آزاد کرانے میں صرف کیا اور ایک دینار کسی مسکین کو صدقہ دیا اور ایک دینار تو نے اپنے خاندان پر خرچ کیا ان میں سب سے زیادہ موجب اجر و ثواب وہی دینار ہے جو تو نے اپنے خاندان پر صرف کیا ہے“

۱۷ اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں جبرین معلم سے روایت کیا ہے۔ گو اس کی سند ضعیف ہے مگر یہ مضمون اور صحیح حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے (مترجم)

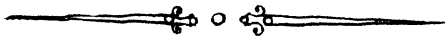
۱۸ اس حدیث کو طبرانی نے کامل میں ابی امامہ سے روایت کیا ہے یہ حدیث حسن ہے۔

۱۹ اس حدیث کو احمد نے اپنی سند میں اور سلم ترمذی سنائی اور ابن ماجہ نے ثوبان سے روایت کیا ہے صرف الفاظ میں خفیف اختلاف ہے علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔ (مترجم)

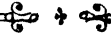
بیشک اسلام ہمکو نہ ایسے تقشف کا حکم دیتا ہے کہ ہم نفس کو تمام چیزوں سے محروم کر دیں اور نہ معیشت کو وہ استقدر پست درجہ میں رکھنا چاہتا ہے جس کے ساتھ ہر قسم کی اخلاقی تہذیب ناممکن ہو اور کسی نہ کسی دن نفس کو نہ ہی تیریوہ کے بالکل توڑ ڈالنے پر آمادہ کرے جیسا کہ اکثر قوموں میں ہو چکا ہے۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام معیشت کی اصلاح میں کوشش کر نیکا ہمکو حکم دیتا ہے اور اُسکو مذہب کا حصہ قرار دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کے لئے اپنی معیشت کی اصلاح کرنا ایک دانشمندانہ کام ہے جن امور سے تمہاری اصلاح ہوتی ہے اُنکی جستجو کرنا حُب دنیا نہیں ہے۔“

مگر کوئی شخص اپنی معیشت کی اصلاح اور درستی کس طرح کر سکتا ہے تا وقتیکہ وہ کسی کام اور پیشہ میں مصروف نہ ہو جس سے اُسکو کافی آمدنی ہوتی ہو اسلئے ہمکو لازم ہے کہ ہم صاف طور پر بیان کریں کہ اسلام کی نظر میں مال اور کام اور پیشہ کی کس قدر عزت اور وقعت ہے تاکہ ان کو کوئی حجت باطل ہو جو تمام مذاہب کی نسبت یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ انسان کو محنت اور پیشہ کی طرف سے نفرت دلائے ہیں۔

۱۔ اس حدیث کو ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب الایمان ابی الدرداء سے روایت کیا ہے اسکی سند ضعیف ہے۔



مقامِ حید و عمل فی نظر الاسلام



مختلف انسانی گروہین جو اس وقت کرہ زمین پر زندگی کی کارزار میں مصروف ہیں انکی حالت پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ تسلط اور عروج حاصل کرنے میں وہی قوم سب سے زیادہ کامیاب ہوگئی جو ایسے افراد سے مرکب ہے جنکو محنت اور کوشش اور کام کرنے سے الفت اور سستی اور کاہلی سے نفرت ہے۔ اسلئے محنت اور کوشش کو منجملہ ان اہم قواعد کے شمار کرنا چاہئے جو نوع انسان کے افراد کو مہذب اور شائستہ بنایواسے اور انکی زندگی اور استقلال کو محفوظ و برقرار رکھنے واسلے ہیں۔ بیشک اس زمانہ کے علمائے تمدن ایسا ہی خیال کرتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ مذاہب پر طعن کرتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ مذاہب انسان کو سستی اور کاہلی پر آمادہ کرتے اور سکودلت اور خواری کے غار میں گراتے ہیں۔

ہم کو اس کتاب میں یہ بات ثابت کرنا نہایت ضروری ہے کہ مذہب اسلام اس شرمناک الزام سے بالکل بری ہے اور اس کے قواعد محنت اور کوشش اور کام کرنے کی سخت ترغیب دینے واسلے اور سستی اور کاہلی سے نفرت دلانے واسلے ہیں۔

بیشک اسلام جس قدر ہم کو دنیوی زندگی کے لئے کام کرنیکی ترغیب دیتا ہے اسی قدر اخروی زندگی کے لئے کام کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا کے لئے تم اس قدر کام کرو گویا کہ تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت کے واسطے چلے جنتی لئے اپنی سن میں اس حدیث کو بن عرس روایت کیا ہے۔ اہل سنہ ضعیف ہے۔

کام کر دو گاؤں تک تم کل ہی مر جاؤ گے۔ اور نیز فرمایا ہے کہ ”تم اپنی دنیا کی اصلاح کرو اور آساخت
کے لئے اس طرح کام کر دو گاؤں تک تم کل ہی مر جاؤ گے۔“ ان دونوں حدیثوں سے ان لوگوں کے
نیال کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ دنیوی خوشحالی خدا کی ناراضی کا باعث ہے اور وہ دنیا
و دنیا سے دست بردار ہو کر صرف عبادت اور ریاضت میں مصروف ہو گئے ہیں۔ انکو
یہ بات معلوم نہیں کہ دنیا ایک میدان جنگ ہے جس میں ہر لحظہ و ہر آن کا زار کا سلسلہ
برابر جاری رہتا ہے۔ جو شخص کٹرا ہے وہ بیٹے ہوئے پر غالب آ جاتا ہے اور مسکونہ غلام
بن کر زندگی کے تمام فوائد ہی محروم کو جاتا ہے۔ پھر ایسے لوگوں پر انسانی طبیعت حجت قائم
کرتی ہے ان کی عبادت منق اور انکا زہجر مسمیٰ جاتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو گذشتہ
قوموں کی تیاج سے ہمکو معلوم ہوتی ہے جنہوں نے اپنی مذہبی نصوص کی غلط فہمی سے دنیوی
چیزوں اور دنیوی ضرورتوں سے اعراض کیا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں طبعی حادثات چاروں
طرف سے ان کو محیط ہو گئے اور آخر کار ان کی بد حالی کی نوبت عبرت انگیز وجہ تک
پہنچ گئی۔

مگر مذہب اسلام نے جو انسانی ترقی کے آخری دؤر کا مذہب ہے اپنے اصول
میں ایسی عبادتیں مقرر نہیں کیں جن کے قدیم زمانہ کی کیش اور نافرمان قوموں کے نفوس کا
معالجہ مقصود تھا۔ بلکہ اسلام نے قرار دیا ہے کہ جو کام زندگی کے قوانین کے مناسب
اور نوع انسان کو ترقی دینے والی اور نفسانی غلبہ کو گریب انیت کی سطح سے اونچا کر نیوالی
اصول کے مطابق ہو وہ بنا شک و شبہ خدا کی خالص عبادت ہے بشرطیکہ وہ محض اللہیت
اور صرف خدا کی خوشنودی کی غرض سے انجام دیا جاوے۔ نہ کہ اپنی شیطانی خواہشات
کے پورا کرنے کی غرض سے۔

چونکہ شخصی / خاندانی، قومی اور نوعی ضروریات کے لئے دولت کا کسب کرنا بخلانہ امور کے ہے جو نوع انسان کو اس رسیع اشان مرتبہ تک پہنچنے میں مدد دینے میں جو خدا نے اُسکے لئے مقرر کیا ہے اسلیئے اسلام نے کسب دولت کو انسان کے لئے افضل ترین عبادت قرار دیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”تمام اعمال میں افضل کسب حلال ہے“ اور نیز فرمایا ہے کہ ”جو شخص اپنے خیال کیلئے جائز و حلال مال حاصل کرے اُس کا مرتبہ مثل اُس شخص کے ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرے اور جو شخص جائز طور پر پاکدامنی کے ساتھ دنیا طلب کرتا ہے اس کا درجہ مثل شہید و فوجی ہے۔“ یہ خیال بکربنا چاہئے کہ اسلام صرف محنت اور کوشش کرنے اور دولت حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور بس۔ بلکہ وہ ان امور کو ایک لازمی فرض قرار دیتا ہے اور ترک کرنے والوں سے مواخذہ کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”حلال مال کا طلب کرنا ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔“

مذہب اسلام دولت کو قومی زندگی اور قومی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ خیال کرتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”میری امت پر ایک ایسا زمانہ عنقریب آئے گا جس میں لوگوں کو اپنے دینی اور دنیوی امور کی درستی کے لئے درہم اور دینار کی ضرورت ہوگی“ آنحضرت کے صحت میں ایسے دولت مند موجود تھے جن کا عطیہ ایک فوجی حملہ کی تیاری کے لئے کافی ہوتا تھا جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ظہور میں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی تعریف میں فرمایا ہے ”نعم المال الصالح للرجل الصالح“

لے اس صفحہ پر جقدر حدیث سند صحیح ہیں ان میں بعض حدیثیں مہول اور بعض ضعیف ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ کسب حلال کی تاکید بہت سی صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتی ہے۔ (مترجم)

کیا اسکے بعد بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اسلام دولت و ثروت کے سنائی ہے خصوصاً اس زمانہ میں جس کی نسبت آپؐ ہلکے خبر دی ہے۔ بیشک اس زمانہ میں ہم پر وہاں جب تک کہ ہم مذہب اسلام کے ان احکام کو ظاہر کریں جو اس نے محنت اور کوشش اور کسب و کسب کے باب ہکو دئے ہیں تاکہ مسلمانوں کو سستی اور کالہی کی قید سے نجات حاصل ہو اور وہ تمام بگلیاں، نفع ہوں جو بعض تعلیم و تہذیب کے مدعی رکھتے ہیں۔ کیونکہ عام مسلمانوں میں مذہب کی طرف سے صرف ایسی ہی ہدایتیں پہنچتی ہیں جو انکو محنت اور کوشش اور کام کرنے سے نفرت دلائی اور کسب و دولت سے دور کرتی ہیں یہ ایک ایسی ہدایت ہے جس میں حکمت نبویؐ کی رعایت نہیں کی گئی ہے کہ قلوب کے معالجہ کے لئے موافق اور مناسب ترین دو تجویز ہونا چاہتے۔

جس قسم کی ہدایتیں آجکل کے علماء اگر رہتے ہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکا سوا حصہ ہی دولت سے کہہ سکتے ہیں کیا انکو حکم دیتے تو فرما دیتے کہ آجکل کے ایک شخص ہی ایسا نہ ملتا جو ایک جہ کا مالک ہوتا۔ کیونکہ وہ آپ کے احکام کی نہایت سختی کے ساتھ اطاعت کرتے تھے۔ حالانکہ معاملہ اسکے بالکل برخلاف ہے کسب و دولت کی ترغیب دینے والے احکام قرآن مجید میں موجود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشمار حدیثیں اس زمانہ کی تمدنی کتابوں کی نسبت زیادہ تر ترغیب دیتی ہیں۔ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا کہ "وَاتَّقُوا اللَّهَ مَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ" اور فرمایا ہے کہ "فَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ" رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اللہ اور دنیا سے جو چیز حصہ ہو اسکو فراموش نہ کرو۔

اس میں تم میں سے پہلے جاؤ اور خدا کے فضل یعنی معاش کی جستجو میں لگ جاؤ۔

”دنیا ایک اچھی سواری ہے تم آپر سوار ہو جاؤ وہ تمکو آخرت میں پہنچا دیگی“ اور نیز فرمایا ہی کہ ”تم میں بہتر وہ ہے جو نہ آخرت کی وجہ سے دنیا کو چھوڑے اور نہ دنیا کی وجہ سے آخرت کو چھوڑے بلکہ اُسکی پیٹے اور اسکو پی“ اور نیز فرمایا ہے کہ ”حلال کا طلب کرنا بمنزہ رہا کے ہے“

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں نے ایک چست و چالاک اور قوی نوجوان کو دیکھا جو سخت محنت کر رہا تھا اس نے کہا افسوس ہے کاش اس شخص کی جوانی اور چستی خدا کی راہ میں صرف ہوتی۔ اپنے فرمایا کہ ”ایسا مت کہو کیونکہ اگر وہ اپنی ذات کے لئے اس غرض سے محنت کر رہا ہے تاکہ وہ لوگوں سے مستغنی ہو جائے اور سوال کرنے کی اسکو حاجت نہ تو وہ خدا کی راہ میں محنت کر رہا ہے اور اگر وہ اپنے ضعیف ماں باپ یا چھوٹے بچے کے لئے محنت کرتا ہے تو بھی وہ خدا کی راہ میں ہے اور اگر وہ فخر و مباہات کی غرض سے محنت کرتا ہے تو شیطان کی راہ میں ہے“ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کسب و دولت کی بُرائی ہلایاں کاسب کی نیت کے تابع ہے اگر عرض محمد بنے تو بیشک کاسب باجو رہو گا اور اگر شیطانی خیالات اسکا باعث ہیں تو اس صبر میں کسب و دولت موجب وبال ہو گا اگرچہ وہ جسائز و مسائل سے کسب کرتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص غصہ و مباہات کی غرض سے حلال طور پر مال حاصل کرتا ہے خدا سے وہ ایسی حالت میں ملے گا کہ خدا

اُسپر غصے ہوگا اور اگر سوال سے بچنے اور اپنی آبرو کی حفاظت کی غرض سے مال حاصل کرتا ہی تو قیامت کے دن اسکا چہرہ شل چودھویں رات کے چاند کے چمکتا ہوگا۔

یہ حدیث اس بحث میں قول فیصل ہے۔ اب ہمکو صرف ان کاہلوں کی نسبت گفتگو کرنا باقی رہ گیا ہے جو اس قول سے اشتیاد کرتے ہیں کہ رزق مقسوم ہے اور محنت اور کوشش سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بیشک ہم سب سے زیادہ اسکا اعتقاد رکھتے ہیں لیکن جو کچھ خدا کے علم میں ہے ہم اُسکے دریافت کرنے کی جرات نہیں کر سکتے ہم کو کیا معلوم ہے کہ ہماری کوششیں رائیگاں جائیگی۔ ہم کو ہرگز مناسب نہیں کہ ہم اپنی نامی سے ایسے خیالات خام کو پچھ کریں جو محنت اور کوشش اور اسلام کے سیدھے رستے سے باز رکھنے والے ہیں۔

اسلام نے قرار دیا ہے کہ خدا اپنے بندوں میں بلحاظ اُن کی ہمت اور کوشش کو رزق تقسیم کرتا ہے پس جس کی کوشش اور محنت زیادہ ہوگی اُسکو رزق کا زیادہ حصہ ملیگا اور جس کی کم ہوگی اُسکو کم۔ اور یہی قاعدہ ہے جو لوگوں کو زندگی کے میدان میں مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ کیونکہ انکو یقین ہوتا ہے کہ ان کی محنت کا عثر ضرور انکو ملیگا۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے ”خدا اپنے بندوں کو بقدر اُن کی ہمت اور نیت کے عطا فرماتا ہے۔“

مذہب اسلام صاف طور پر بیان کرتا ہے کہ ہر ایک معاملہ میں ہمت اور پیش قدمی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے اور کامیابی اور گناہی محرومی اور فقر و فاقہ کا باعث ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”یہ تاجر کو رزق ملتا اور نامتاجر محروم رہتا ہے۔“

اسلام اپنے پیرو کو بلند آواز سے پکار کر کہتا ہے کہ زندگی کے لئے بالکل غیر متغیر اصول فطرت ہیں جو شخص ان کا مقابلہ کرتا ہے وہ خدا کے ارادہ کا مقابلہ کرتا ہے اور جو شخص اپنی کاروباریں ان کے مطابق چلتا ہے وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے کسب اور رزق انہیں مقررہ اصول فطرت کے تابع ہیں جو شخص ان کے خلاف چلتا ہے وہ محروم رہتا ہے اور جو کسی پیروی کرتا ہے وہ رزق حاصل کرتا ہے۔ کسب کا اہم اصول یہ ہے کہ صحیح سویرے اٹھ کر اپنے کاروبار میں نہایت کوشش کے ساتھ مصروف ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”جو شخص کوشش کرتا ہے وہ اپنا مقصود حاصل کرتا ہے اور ہر ایک کوشش کر نیوالے کو اس کا حصہ ملتا ہے“ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جو ایک ایسے شخص میں جن کی ہمت اسلام ان پر واجب ہے فرمایا ہے کہ ”کسی مسلمان کو زیبا نہیں ہے کہ تلاش رزق سے بیٹھ جائے اور دعا لیا کرے کہ اے خدا مجھ کو رزق دے کیونکہ تم کو معلوم ہے کہ آسمان سے چاندی اور سونا نہیں برستا“ باوجود ان باتوں کے ہم محنت اور کوشش کے مسلمان ہر ایک معارضہ اور مجاہدہ کرنے والے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے سکت کر سکتے ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ ”کوشش کر کیونکہ کوشش تم پر فخر کی گئی ہے۔“

علاوہ ازیں اسلام اپنے پیرو کو ترغیب دیتا ہے کہ اگر ان کو ایک مقام پر کسب و کار میں دشواری ہو تو وہ ایسے مقام میں ہجرت کر جائیں جہاں وسائل شیعہ آسانی کے ساتھ مہیا ہو سکیں اور اس فقر و فاقہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں جس کی نسبت حضرت مولا اہم علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”فقر قریب ہے کہ کفر کے درجہ کو پہنچ جاوے“ اور وہ ہرگز ہار نہیں۔ بیشک اسلام اپنے پیرو کو حصول رزق میں کوشش کرنے کی ترغیب دیتا ہے

اگرچہ ان کو دور دراز ممالک میں سفر کرنا پڑے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
 "سفر کرو صحت اور رزق حاصل کرو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار کا انہیں صاف صاف طریقہ پر عمل تھا
 امام احمد فرماتے ہیں کہ "صحابہ کرام بڑی اور بحری تجارتیں کرتے اور اپنے باغ و بنیں کاڑبا
 کرتے تھے۔ جو شخص صحابہ کرام اور تابعین غلام کی تیاج کو بنظر غور مطالعہ کیا اسکو ہمت
 اور جفا کشی اور الوالوغری کے ایسے نمونے نظر آئینگے جن پر حقیقت نورع انسان کو
 فخر کرنیکا حق حاصل ہے۔ اسکو معلوم ہوگا کہ ایک چوٹی سی جماعت جو پہاڑوں اور
 گہائیوں کے درمیان گوشت گنہامی میں پڑی ہوئی تھی اور نقد و فاقہ میں کوئی قوم اس کی بڑی
 نہیں کر سکتی تھی پستی اور گنہامی کا بغبار اپنے کپڑوں سے جھاڑتی ہوئی اٹھی اور جو بیتیں اور حدیثیں
 بننے اور نقل کی ہیں ان پر عمل کرنا شروع کیا اور انکو ہر وقت نصب العین رکھا اور اسکا نتیجہ
 ہوا کہ ۱۰ برس کی مدت میں حکومت اور تسلط اور اقتدار کے لحاظ سے وہ استغذر عظیم الشان درجہ
 کو پہونچ گئی جو رومیوں کی سلطنت کو تھہ سو برس میں نصیب نہیں ہوا۔ اُسنے دنیا کو ایسے
 طریقہ کے ساتھ مسخر کیا جو کسی طرح جبری نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ اگر رومیوں کے جبر و تعوی
 کے ساتھ اسکا مقابلہ کیا جاسے تو وہ بالکل اختیاری اور رضاد رغبت کا طریقہ تھا۔ سلام
 کی اول صدی کی تیاج کو مطالعہ کرنا چاہئے اُس میں جہتوں اور الوالوغریوں کے ایسے عجائبات
 نظر آئینگے جن کی توصیف سے ہمارا بیان قاصر ہے اور جسکے مقابلہ میں اس زمانہ کی شائستہ
 اور مہذب قوموں کی جہتیں اور الوالوغریاں گرو ہیں۔

پس جبکہ گذشتہ زمانہ کی حالت یہ تھی تو اب اسلامی ہمت اور الوالوغری کیا ہوئی ہو
 اور کونجایے دولت اور عاجزی ہم پر کیونکر مسلط ہو گئی حتی کہ ہم ان شرعیانہ خصلتوں کو پاکیزہ

عادتوں سے ہی محروم ہو گئے جو ہمارے اسلام کی عورتوں میں شائع تھیں۔
اسلامی امت نے صرف موجودہ ذلت اور عاجزی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اُس نے
اپنے بعض عالموں اور پیشواؤں کی زبان سے اس ذیل حالت کو نفس اسلام
کی طرف منسوب کیا ہے جو نیاں کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے آخرت اور دوسروں
کے لئے دنیا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے بلکہ اسلام کے لئے دنیا و آخرت دونوں ہیں۔

”وقیل للذین اتقوا اذا
انزل ربکم تاواخیرا
للذین احسنوا فی
ہذہ الدنیا حسبہم ولدار
الآخرہ خیرہم لنعلمہم ان الموقنین
”سربنا اثنان فی الدنیا حسنتہ
وفی الآخرۃ حسنتہ وقتنا
عذاب النار“

”پر پیغمبر گرامی ان کے قرآن کے بارہ پوچھا
جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل تو
جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا جن لوگوں
نے ہلکائی کی ان کے لئے اس دنیا میں بھی ہلکائی
ہے اور انکا آخری ٹکنا تو اس سے ہی کہیں تیرے ہی
اور پیغمبر گرامی آخرت کا اگر کیا عمدہ ہے“ اسے
ہمارے پروردگار ہکو دنیا میں ہی خیر و برکت
اور آخرت میں ہی خیر و برکت ہے۔

جو کچھ مسلمان کر چکے ہیں انکو اس سے زیادہ اپنے دین پر غلظت نہیں کرنا چاہئے
اور انکو اسلام پر عقل و فکر کے ساتھ غور کرنا چاہئے تاکہ اپنی ثابت ہو جاوے کہ وہ صرف
اپنی خواہشات اور اپنے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور باطل خیالات ہلکا
کے ساتھ شامل کر کے اہل یورپ کو اس کی نسبت انتقادات کرنے سے نہیں روکنا
چاہئے ہیں مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ نہایت قریب آئندہ زمانہ میں وہ وقت آئے گا کہ
جبکہ اسلام یورپ میں ایسی رونق اور شان کے ساتھ ظاہر ہوگا جو زمانہ نبوت و شہادت میں

”سنرھیم ایتنا“ غم قریب ہم ان لوگوں کو اپنی قدرت کی نشانیاں دینا
 فی الافاق و فی انفسہم کے اطراف میں ہی دکھائی گئے اور ان کے اپنے ذہن میں
 حتیٰ تین لھما ناسخوت میں ہی یہاں تک کہ اپنے ظاہر ہو جائیگا کہ یہ قرآن حق ہے
 ”انہ کان وعدہ مفعولہ“ یہ خدا کا وعدہ ہے جو سو کر رہیگا

مَدَنی فِرَاض

کوئی شخص ہر ایک زمانہ میں عموماً اور اس شائستگی اور تمدن کے زمانہ میں خصوصاً
 ان حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ (اول) یہ کہ وہ کسی قوم کا ممبر اور اُس کے قوانین کا
 محکوم ہوگا اور اُس قوم کے دیگر ممبروں کے ساتھ زبان اور اعتقادات اور طبعی خصوصیتوں
 میں شریک ہوگا۔ (دوم) کسی ایسی قوم کے ساتھ جو عادات اور اعتقادات
 میں اُس کے منافی ہیں وطنیت و محکومیت کا تعلق رکھتا ہوگا (سوم) جس قوم کا وہ ممبر
 ہے وہ دیگر قوموں کے ساتھ جو تمام یا اکثر حیثیتوں میں اُس قوم سے مختلف ہیں اپنی
 مصلحتوں کے باعث سے مصالحت اور رسالت رکھتی ہوگی۔ (چہارم) اُن کے ساتھ
 بوجہ اختلاف مسائل زندگی کے عداوت رکھتی ہوگی۔ پہلی تین حالتوں سے کوئی عظیم الشان
 زندہ قوم خالی نہیں ہو سکتی۔ بعض اوقات یا اکثر اوقات چوتھی حالت بھی اپنے طاری ہوتی
 ہے۔ کیونکہ ہم اکثر مذہب اور شرائط قوموں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ملک گیری کی ضرورتوں

اور ذاتی مصلحتوں کے باعث سے جنگ و جدل کا سلسلہ برابر جاری رکھنے کے لئے
مجبور ہوتے اگرچہ وہ چوٹے چوٹے قبائل ہی کے ساتھ ہو۔

تقسیم جو ہمنے اور پر بیان کی ہے اُس پر سرسری نظر کرنے سے اقرار کرنا پڑتا ہے
کہ یہ طبعی تقسیم ہے جسکے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ وہ عام مہذب اور غیر مہذب موجودہ
اور گذشتہ قوموں کی زبان حال ہے اس تقسیم کے بعد ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر ایک انصاف
شریعت کا فرض ہے کہ وہ ان چاروں قسموں کے لئے مجدد احکام نافذ کرے جن کی
پابندی رعایا پر واجب ہو۔ اور یہ احکام حقیقی عدالت اور دنیا کے قوانین فطرت کے
بالکل مطابقت اور موافقت رکھتے ہوں۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسکا نفاذ اور جسکی
تکمیل حقیقی عدالت کے اصول کے مطابق اس وقت تک سوائے مہذب اسلام کو
دنیا کی کوئی شریعت نہیں کر سکے۔ اسکی تفصیل معہ دلائل حسب ذیل ہے۔

اسلام دنیا کو انہیں چاروں قسموں پر منقسم کرتا ہے یعنی توحید، نبی اور کرچکے ہیں اور
ان میں سے ہر ایک قسم کے لئے خاص خاص احکام نافذ کرتا ہے جن کی پابندی اور
نگہداشت مسلمانوں پر فرض ہے۔ نوع انسان کے افراد کی تقسیم اسلام کی نظر میں
حسب ذیل ہے (اول) مسلمان (دوم) ذمی یعنی وہ اہل کتاب یہود اور نصاریٰ جو
اسلام کی حمایت میں ہوں اور اسلامی قوانین کے محکوم ہوں (سوم) حکومت اسلام
کے ساتھ معاہدہ یا صلح رکھنے والے (چارم) حکومت اسلام کے ساتھ جنگ و حرب
رکھنے والے۔ اب ہم علیحدہ علیحدہ ان فرائض کی نسبت گفتگو کرتے ہیں جو ان
چاروں میں ہر ایک کی نسبت مسلمانوں کے ذمہ فائدہ کئے گئے ہیں۔

(۱) مسلمانوں کے فرائض ایک دوسرے کو ساتھ

ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو اسی نظر سے دیکھے جیسا کہ حقیقی اخوت اخوت اور محبت کا اقصا ہے اور تمام طبعی اور سیاسی حقوق میں مساوات کا برتاؤ کرے۔ ہر ایک ہر ایک مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی قوم کے تمام افراد کو اختلاف جنسیت اور اختلاف رنگ اور اختلاف عادات سے قطع نظر کر کے اپنا بھائی سمجھے اور ان میں سوا شخصی فضائل اور کسی خوبیوں کے کوئی چیز ماہ الامتیاز نہ ہونی چاہئے۔ اس ماہ الامتیاز کا فیصلہ بھی صرف خدا کے سپرد ہونا چاہئے اور عادلانہ قانون کے مقابلہ میں اس امتیاز کی کوئی خصوصیت نہ ہونی چاہئے۔

مسلمانوں میں باہمی محبت ایمان کی شرائط میں سب سے پہلی شرط ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”تم ہر گز جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ مومن نہ ہو اور تم ہر گز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہم محبت نہ کرو“، یہ محبت جو باہم مسلمانوں میں ہو بالکل پاک اور سچی اور حقیقی ہونی چاہئے جو ریائی کدورتوں سے صاف ہو در نہ وہ محبت نفاق خیال کیجاوے گی۔ اور اس منافقہ محبت کا بھانڈا اگر آج نہ پھوٹا تو کل ضرور پھوٹے گا۔ اس لئے نہایت ضروری اور لا بدی ہے کہ اس محبت کو پاک صاف اور بالکل بنانے میں ایسی ہی کوشش کیجائے جیسے ایمان کو کفر بات سے محفوظ رکھنے کو لئے کیجاتی ہے۔ اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان تعلقات میں کافی غور نہ کیجائے جو اسکو اپنے اہل قوم کے ساتھ میں اور ان فوائد اور نتائج حقیقی

حاصل نہ ہو جو افراد قوم کے ساتھ خالص محبت رکھنے اور اُن سے الگ رہنے سے پیدا ہوتے ہیں ان امور میں غم و فکر کر نیوالا اگر زندگی کی حقیقت اور اُس کی تکالیف سے واقف ہے تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ اُس کی زندگی قوم کی زندگی پر منحصر اور قوم کی موت سے اُس کی موت لازمی ہے۔ اور جب اُس کو یہ یقین حاصل ہو جائیگا تو بلا شک و شبہ اپنی قوم کے افراد کے ساتھ خالص محبت کرنے کے لئے مجبور ہو گا جیسا کہ ہلک سیلاب سے ہمالیہ کی کبھی سخت کم اور بندہ قلعہ میں پناہ لینے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔

یہ پاک اور خالص محبت جس کی طرف اسلام دعوت کرتا ہے ہر قسم کی قومی ستائش و فلاح کا اہل اصول اور حقیقی شائستگی کا سرچشمہ ہے۔ مہذب اور تمدن قوموں کے حالات کو دیکھو اور اُن کے اجزاء و افراد میں غور و تامل کرو تو کم معلوم ہو گا کہ جس قوم کے اجزاء باہمی اتصال اور جس کے افراد باہمی ارتباط زیادہ تر ہو گا وہی قوم سعادت و فلاح کے میدان میں سب سے زیادہ پیش قوم ہوگی ایسی قوم اگر گرتی ہے تو جلد اُٹھتی اور جب خاف ہوتی ہے تو جلد تر ہو شیا رہ جاتی ہے۔ اگر وہ کسی وقت ایسے حال میں دیکھی جاتی ہے کہ اُس کے بیرونی معاملات میں سخت چپیدگیاں واقع ہو رہی ہیں اور اُس کی زندگی کے وسائل معرض زوال میں ہیں اور ان وجوہ سے اُس قوم کی تباہی اور بربادی کا لگان غالب بلکہ قریباً یقین ہوتا ہے تو اس کے بعد وہ اپنی چیدگیاں کو سلجھا کر چاروں طرف اپنے حریفوں کو للکارتی ہوئی نظر آتی ہے اور بغیر ہتیار و نئے انگوشتوں اور پرانہ گندہ کر دیتی ہے یہ اُس اتصال اور ارتباط کے اسرار میں سے ہے جو باہمی محبت کا نتیجہ ہی ہے اور جس ارتباط نے ہمارے اسلاف کو ترقی اور کامیابی کی بلندی پر پہنچایا تھا اُس کا ایک تھوڑا سا حصہ اس زمانہ کی قوموں میں پایا جاتا ہے جسے انکو موجودہ ترقی کے درجہ پر پہنچا دیا ہے جو آج تک کسی کو

حاصل نہیں ہوئی۔ باہمی عداوت اور نفاق کے بعد یہ ارتباط انکو مذہب اسلام کو آسانی
 احکام پر عمل کرنے کی بدولت نصیب ہوا ہے۔ باہمی محبت کی ضرورت میں جس قدر نصو
 اسلام میں وارد ہوئے ہیں اگر ہم انکو نقل کرنا چاہیں تو ہمکو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی لہذا
 ہم صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں جو ان لوگوں کے ضعیف اسلام پر دلالت کرتی ہے جو
 اسلام کے مدعی ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کے فائدے کو قطع نظر کر کے صرف
 اپنے ذاتی کام و بار میں مصروف رہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
 ”جس شخص نے ایسی حالت میں صبح کی کہ وہ مسلمانوں کی فکر سے خالی ہے تو وہ مسلمانوں
 میں سے نہیں ہے“

اس مقام پر ہم بعض تاریخی واقعات بھی درج کرنا مناسب خیال کرتے ہیں جسے
 معلوم ہوگا کہ صدر اسلام کے گروہ میں کس قدر سخت محبت اور اخوت موجود تھی تاکہ اس زمانہ
 کے مسلمانوں کو عبرت ہو اور ان کو معلوم ہو کہ اس وقت کے مسلمانوں کے درمیان ایسی
 برادرانہ محبت تھی جو اس وقت دو حقیقی بھائیوں کے درمیان ہی نہیں ہو سکتی۔ حدیث
 عدوی کہتے ہیں کہ ”یرموک کے دن میں اپنے ساتھ تھوڑا پانی لیکر اپنے ایک چچا زاد
 بھائی کی تلاش میں نکلا اس خیال سے اگر اُس میں زندگی کی کوئی رمت باقی ہوگی تو یہ پانی اُسکو
 پلاؤنگا اور اُسکے چہرہ پر چمکونگا۔ اچانک وہ مجھکو لگیا، میں نے کہا کہ پانی پیو گے۔ اشارہ
 کیا کہ ہاں۔ اسی وقت قریب سے آواز آئی آہ پانی ہوتا مجھکو اشارہ کیا کہ اُدھر جاؤ اور اُسکو
 پلاؤ میں اُسکے پاس پہنچا وہ آواز شہام بن العاص کی تھی میں نے کہا کہ پانی پیو گے۔
 اشارہ کیا کہ ہاں۔ ناگاہ آواز آئی کہ آہ پانی ہوتا۔ شہام نے اشارہ کیا کہ اُسکو پلاؤ میں دیاں
 پہنچا تو وہ ختم ہو چکا تھا میں وہاں سے فوراً شہام اور اپنے چچا زاد بھائی کی طرف واپس آیا دیکھا

کہ وہ بھی انتقال کر چکے ہیں۔ ان پاک روتوں کو دیکھو جو ایسے کٹن وقت میں ہی اپنے دوسرے
 بہائیوں کے خیال سے غافل نہ ہوتی تھیں جبکہ اس اپنے جگر کے ٹکڑے کا خیال نہیں کر سکتی۔
 ان نفوسِ قدسیہ کی حالت پر غور کرو جو جاں کنی ہولناک ساعت تک بھی نہایت دیری
 کے ساتھ اشیاء پر ثابت قدم رہتے تھے ”و یوثقون علی انفسہم ولو کان
 جہنم خصامہ“ اس کے بعد ان اوصاف پر غور کرو جو اس محبت کے لئے لازمی ہیں اور
 جن پر انسان فخر کرتا اور جن کی بدولت وہ حیوان سے رافع و اعلیٰ ہونیکا دعویٰ کرتا ہے
 کیا اس عجیب و غریب ارتباط کے بعد بھی جو ہمارے اسلاف میں موجود تھا ہم ان کی غلامی
 فتوحات کی سرعت اور وسعت پر تعجب کر سکتے ہیں جو باوجود بے سروسامانی اور قہر کی
 قلت کے انکو حاصل ہوئیں؟ یہ سچی محبت قوم کے تمام افراد غریبوں اور امیروں،
 دولت مندوں اور فقیروں کے درمیان موجود تھی۔ حکام کی حکومت اور رئیسوں کی ریاست
 انکو محبت کے فرائض ادا کرنے سے باز نہیں رکھتی تھی۔

اسلامی قوم کے رگ و ریشہ میں اسی حقیقی محبت کے جاری اور ساری ہونے سے
 آزادی اور مساوات اور عدالت کی بنیاد مستحکم ہوئی جسکا ایک خفیہ حصہ ہی بغیر اسلام
 کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق ہم کسی اور وقت تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔
 علاوہ ازیں اسلام نے ہر ایک مسلمان کے ذمہ قوم کی حمایت اور امت کی
 بہبودی میں کوشش کرنیکا فرض عائد کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ سب سے افضل عباد
 جو خدا کو محبوب ہے وہ عام مسلمانوں کی فلاح و بہبودی میں کوشش کرتا ہے۔ رسول
 خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”اسلام کے بعض مقامات تم میں سے کسی کا
 صبر کرنا تنہائی میں چالیس برس تک خدا کی عبادت کرنے سے بہتر ہے“ اور نیز فرمایا ہے۔

”مسلمانوں کے درمیان صلح کر دینا عام نمازوں اور روزوں سے بہتر ہے“ اور نیز فرمایا: ”ایک دن کا انصاف ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے“ جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت براری کی گویا کہ اُس نے تمام عمر خدا کی عبادت کی،۔ جسے کسی پر خیر مسلمان بھائی کی کار براری میں رات میں یا دن میں کوشش کی خواہ وہ کام پورا ہوا ہو یا نہوا ہو ہر حالت میں کوشش و دہینہ کے اعتکاف سے افضل ہے، جو شخص کسی علم کی بابت سوال کیا گیا اور اُس نے چھپایا تو خدا قیامت کے دن اُسکو آگ کی لگام دیگا۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص ان احادیث شریف میں غور کر گیا جنکو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں تو اُسکو معلوم ہو گا کہ مذہبوں کے نازل کرنے سے خدا کا ہرگز یہ مقصود نہیں ہے کہ لوگ جسمانی عبادت اور ریاضت اور زہد و تقویٰ میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں بلکہ خدا کا مقصود انسانی گرد ہو کہو مذہب اور شائستہ بنانا اور انکو تمدن اور کمال پر ترقی دینا مقصود ہے تم نے غور کیا ہو گا کہ مذہب اسلام کتنا ہے کہ ایک کلمہ آمیز کلمہ دہینہ کے اعتکاف سے افضل ہے اور مسلمانوں کے درمیان صلح کر دینا تمام نمازوں اور روزوں سے بہتر ہے۔“

اے خدا تو مسلمانوں کو اپنے مذہب میں غور کرنے کی توفیق عطا فرما اور ان کو اپنے ذہنوں سے اوہام و خرافات کے دور کرنے کی ہمت دے۔ تاکہ وہ اسلام کو انہیں آنکھوں سے دیکھ سکیں کہ جن آنکھوں سے اُسکا دیکھنا مناسب ہے۔ جو ہم نے اوپر نقل کی جو شخص انکو سمجھتا ہے اُسکو محقق طور پر ثابت ہو جائیگا کہ اسوقت مسلمانوں نے بلحاظ تناظر اور تجاسد اور بنا غرض کے جو ان میں پایا جاتا ہے اسلام کو پس پشت ڈال دیا ہے اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے سے خدا کی ناراضی کے مستوجب ہو گئے ہیں۔

بیشک ان احادیث سے ہکو مواف معلوم ہوتا ہے کہ بھی بغض و عناد اسلام کے بالکل
منافی ہے بلکہ ایسا کرنا اسلام سے بالکل ٹکلیفنا ہے کیونکہ خدا نے اس مذہب کو بعض خلص
افراد کے لئے نازل نہیں کیا ہے بلکہ وہ عام گروہ کے لئے نازل ہوا ہے کیونکہ اس کے
اکثر احکام ایسے ہیں جن پر بھی اتحاد و اتفاق کے بغیر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ رسول خدا
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے در اسلام جماعت کا زیادہ تر محتاج ہے جس قدر جماعت
اسلام کی قتلج ہے۔“

الرق فی الاسلام

ہم اس فصل کو ختم کرنے سے پیشتر ناظرین کو مذہب اسلام کے وہ احکام دکھلانا
چاہتے ہیں جو اسے غلاموں کی نسبت نافذ کئے ہیں کیونکہ اس مسئلہ کی توضیح
کرنے سے بہت سے اہم فوائد حاصل ہونگے۔ اور انسانی عدالت اور آسمانی عدالت
کے درمیان جو عظیم الشان اور تین فرق ہے وہ ہکو معلوم ہو جائیگا۔ جو حقوق ایک
ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر آپ پڑھ چکے ہیں وہ پوری طرح غلاموں پر منطبق
ہیں۔ پس وہ اسلامی شریعت کے مطابق اپنے آقاؤں کے بھائی ہیں جیسا کہ ایک
حدیث میں آیا ہے کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنکو خدا نے تمہارا ماتحت
کیا ہے۔ پس کسی بڑے سے بڑے شخص کو کسی ادنیٰ مسلمان جیسی غلام پر نفرت کرینکا
حق حاصل نہیں ہے۔

ایک خاص روایت جس سے اس موقع پر تشاد کرنا معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ ابوذر غفاری رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کسی غلام سے مناقشہ کر رہے تھے اور اس سے خفا ہو کر کہنے لگے۔ کہ اے کالی عورت کے بیٹے۔ انہوں نے اس کلمہ کو پورا نہیں کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ”انسان سب برابر ہیں۔ سوائے نیک اعمال کے کسی گوری عورت کے بیٹے کو کالی عورت کے بیٹے پر کوئی فضیلت نہیں ہے“ عبدالرحمن بن عوف جب اپنے غلاموں کے ساتھ نکلتے تھے تو چوڑا آقا اور غلاموں کے لباس یکساں ہوتے تھے اور برابر بڑا چلتے تھے اسلئے بعضی شخص پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ آقا ہیں اور یہ غلام ہیں۔ آثار میں مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک مرتبہ اپنے غلام کے ساتھ بازار میں تشریف لے گئے اور دو کپڑے خریدے جن میں ایک کپڑا دوسرے کی نسبت زیادہ قیمتی تھا۔ قیمتی کپڑا آپ نے غلام کو عطا فرمایا اور کم قیمت اپنے واسطے رکھا۔ غلام نے عرض کی کہ آپ اس کے زیادہ ترستی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں بلکہ تو ہی اسکا زیادہ ترستی ہے کیونکہ تو نوجوان ہے۔ اور میں تو بڑا ہو گیا ہوں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سردار ابو بکر نے ہمارے سردار بلال کو آزار دیا کیا اب یہ امر قابل غور ہے کہ صحابہ کرام کی خیالات میں جو زمانہ جاہلیت میں عرب کے مطلق العنان بادشاہ تھے مساوات کی محبت کس درجہ راسخ ہو گئی تھی کہ حضرت عمر جیسے جلیل القدر شخص حضرت بلال کو صرف ان کی ذاتی قابلیتوں کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور ان کے رنگ اور حسنیہ کا کوئی خیال نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت عمر مرض الموت میں مبتلا ہو کر انتقال فرماتے لگے اور آپ نے اپنا کوئی جانشین تجویز کرنا چاہا تو وفات کی بوقت

کہتے تھے کہ اگر ابوحنیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں خلافت کو شوریٰ پر منحصر نہ رکھتا۔
 پس اسے ناظرین کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ انسانی تاریخ میں کوئی ایسی مثال آپ
 کی نظر سے گزری ہے اور دنیا کی قوموں نے کسی قوم میں آزادی اور اخوت اور مساوات
 کی بنیاد اس درجہ مستحکم ہوئی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی عجیب مساوات نہویں
 صدی کے خاتمہ تک کسی فلاسفر کے خواب و خیال میں ہی نہیں گذری تھی اور نہ اس
 زمانہ کا کوئی مقنن خیال کر سکتا ہے کہ دنیا کی سب سے زیادہ مہذب اور شائستہ قوم
 میں جو عدل و انصاف میں ممتاز ہو اس قسم کی مساوات پیدا کرنا ممکن ہے۔ پس اس
 حالت میں کون شخص مجھ کو ملامت کر سکتا ہے اگر میں باوازی بلند یہ کہوں کہ یہ مساوات
 انتہائی درجہ کی مساوات ہے جس کا انسانی گردہ میں پیدا ہونا ممکن ہے،
 اور یہ کہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں جو اس عظیم الشان اصول کی اشاعت اور تعمیم میں قدم
 بڑھاتے ہیں وہ اسلامی مساوات سے قریب ہوتی جاتی ہیں۔ اور کون شخص مجھ کو جھٹلا سکتا
 ہے اگر میں یہ کہوں کہ حقیقی مساوات اس وقت تک صرف اسلامی کتابوں کے اوراق
 میں لکھی گئی ہے۔ اے خدا! تو اپنی رحمت سے مسلمانوں کو اپنے مذہب کی خوبیوں
 کے سمجھنے کی ہدایت فرما، اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اگر اسلام ایسا ہی مذہب ہے جیسا کہ آپ نے
 بیان کیا ہے اور وہ غلامہ آزاد کے درمیان ایک اعلیٰ درجہ کی مساوات قائم کرنا اور
 غلاموں کے ساتھ اس قدر رحمت اور شفقت ظاہر کرتا ہے جس کی نظیر نوع انسان کی تاریخ
 میں نہیں مل سکتی تھی کہ اُس نے آزاد کو بغیر غلام کے قتل کرنا اور غلام کو بغیر آزاد قتل
 نہ کرنا قرار دیا ہے تو یہاں سب بات کی کیا وجہ ہے کہ اُس نے غلامی کا پورا ہستیصال نہیں کیا

اور بالکل میت و نابود نہیں کیا؟ کیا غلامی کا ابطال بت پرستی کو ابطال سے زیادہ دشوار
 تھا؟ اس اعتراض کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اسلام ایک عام مذہب ہے اور وہ دنیا
 میں اسلئے آیا ہے کہ اُسکے احکام کی تعمیل اور اُسکی ہدایات اور تعلیمات کی پیروی کی جائے
 اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جبکہ اُسکے اوامر اور نواہی انسانی فطرت کے مطابق
 ہوں جسپر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ضرور ہے کہ وہ انسانی خواہشوں اور عبتوں
 کے مناسب ہوں جن کی تاثیر انسان پر بالضرور پڑتی ہے اور ان قوانین فطرت پر منطبق
 ہوں جو نوع انسان پر اسلئے مسلط ہیں کہ اُسکو بتدریج وحشت اور جہالت کی تاریکی سے
 نکال کر تمدن اور تہذیب کی روشنی میں پہنچائیں۔ ان قوانین فطرت کا وجود علمائے
 تمدن مثلاً اوجست لکنٹ اور ہوگل اور ہربٹ اسپنسر (Herbert Spencer) وغیرہ کو محسوس ہو گیا ہے کیونکہ انہوں نے دیکھا ہے کہ نوع انسان باوجود ان فتنہ و فساد
 اور خوریز بغاوتوں اور لڑائیوں کے ایک ایسے سلسلے کے ساتھ ترقی کرتی جا رہی ہے
 جسکے تمام حلقے ایک دوسرے کے ساتھ بالکل منتظم اور وابستہ ہیں اور جن میں کسی وجہ
 سے مختلف نہیں ہو سکتا۔ ان علمائے تمدن کا قول ہے کہ یہ تمام دشواریاں جو سرسری نظر
 میں ترقی سے روکنے والی معلوم ہوتی ہے وہ حقیقت یہی وہ موثرات ہیں جو انسان کو
 آگے کی طرف بڑھا رہی اور ترقی کی بندی پر لیجا رہی ہیں۔ پس وہ تمام حکمت کی باتیں
 جو فلاسفوں کی زبان یا اُنکے قلم سے نکلتی ہیں خواہ وہ سادہ لوح سامعین کو کیسی ہی اچھی
 اور قیمتی معلوم ہوں مگر تاہم یہ ہرگز خیال نہیں کیا جاسکتا کہ قوم کے ہر ایک طبقہ کے
 لئے اُنپر عمل کرنا ممکن ہے۔ یہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اُنکے ساتھ انسان کی
 تدریجی ترقی کے اصول کا لحاظ کیا جاوے اور حکماء کا ان اصول کی رفتار پر مطلع ہونا

ایک سخت اور بعید محصول امر ہے۔

جو شخص انسان کی عقلی اور مادی ترقی کے جوہر ترقی حاصل ہوئی ہے مختلف دُور و فُور غور کر گیا اسکو عیانی طور پر معلوم ہو جائیگا کہ قوم ترقی کے کسی خاص دُور میں صرف اسوقت داخل ہوتی ہے جبکہ اسکو بحیثیت مجموعی اُس دور کی استعداد حاصل ہو جاتی ہے۔ آزادی اور مساوات کے اصول کی روشنی مغربی افق پر کسی فلاسفر یا حکیم کے دُغظ و نصیحت سے نمودار نہیں ہوئی۔ بلکہ قوم میں بحیثیت مجموعی پیشتر اس کی استعداد اور قابلیت موجود ہوگئی تھی اور وہ اپنی موجودہ شکل کے سوا دوسری شکل کے قبول کرنے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ یہ بحث نہایت وسیع ہے اگر اس بحث میں قلم کی باگ ڈوبیلی کر دی جائے تو بیان میں بہت طوالت ہوگی جو اس مقام پر مناسب نہیں ہے۔

انہیں بنیادی قواعد کے مطابق جو بالکل ثابت اور مسلم ہیں مذہب اسلام نے اپنے احکام میں ان اصول فطرت کی رفتار کی جو نوع انسان پر مسلط ہیں ایسے طور پر رعایت کی ہے جو غور کر نیا لوئکے لئے موجب حیرت ہے۔ اس حالت میں کہ ہم ان وضعی قواعد کو دیکھتے ہیں جو کسی گزشتہ زمانہ میں قوموں کے لئے باعث ترقی تھے اسوقت ہرگز موجودہ حالت کے مناسب نہیں ہیں حالانکہ اسلام کے قواعد بہستور اپنی پہلی رونق اور تازگی کو لئے ہوئے ہیں اور باوجودیکہ پندرہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر ان کی شباب کی لہریں بالکل مندرق نہیں آیا۔ وہ ہر قوم کے مناسب اور ہر ایک استعداد اور قابلیت کے مطابق ہیں اور رہیں گے۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ اسلامی نظامِ ہدایت خود نوع انسان کو ترقی دینے والے اصول ہیں جن کی تلاش میں کل تمدن ابتدا سے آفریش سے اسوقت تک سرگرم ہیں۔

یہ تمسید جو ہم نے اوپر لکھی ہے اس سے ہم اس امر پر استدلال کرنا نہیں چاہتے کہ غلامی اسلام کا ایک ضروری قاعدہ ہے جو اس وقت بھی باقی رہنا چاہئے۔ بلکہ ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسلام نے اپنے ابتدائے زمانہ میں کس وجہ سے غلامی کو باطل نہیں کیا اس مقصد کے لئے علامہ لاروس (ایک فرین فلاسفر) کے قول سے زیادہ کوئی قوی دلیل نہیں ہو سکتی جو اپنے دائرۃ المعارف میں لکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ ”لائی“ نے نوع انسان کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا حتیٰ غلامی کا حصول جو لڑائی کا بدترین نتیجہ ہے ایک عظیم شان فائدہ سے خالی نہیں رہا اس بات سے ناظرین کو تعجب نہ کرنا چاہئے کیونکہ نوع انسان کی ترقی بعض اوقات ایسے وسائل سے حاصل ہوتی ہے جن کی نسبت گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ غلامی کی بدولت عورت کو قید کی ذلت سے آزادی حاصل ہوئے۔ کیونکہ وہ اپنے شوہر کے نزدیک بہائم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ لیکن جب گہروں میں غلاموں کا سیلاب آیا تو عورت کی تکلیفات بہت کچھ کم ہو گئیں اور شوہر کی نظر میں ایک حد تک اُسکو عزت حاصل ہو گئی۔ کیونکہ خاندان میں ایک جنسی شخص کے داخل ہونے کے بعد خاندان کے ممبر ایک دوسرے کا احترام کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ ان تمام باتوں نے عورت پر بہت اچھا اثر کیا اور اُسکو اس قابل بنادیا کہ وہ مذہب کے ایک درجہ پر ترقی کرے اور عورت کی ترقی سے نوع انسان کو ترقی حاصل ہو۔ مگر اس وقت غلامی کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ انسان کے ذمہ سے سخت محنت کا بازار ہلکا ہو گیا ہے اور جراثیم کے آلات زندگی انسان کو بہت سی مشقتوں سے سبکدوش کر دیا ہے۔“

پس ہم دعوے کرتے ہیں کہ اگر اسلام تیرہ صدیوں سے پشتیر غلامی کو باطل کر دیتا

تو یکم اصول فطرت کے خلاف ہوتا اور اپنے پیروں کو ترقی اور تہذیب سے باز رکھتا۔
 مگر اس نے غلامی کو حکمت اور عدالت کے دائرے میں محصور کر کے برقرار رکھا اور آقا
 اور غلام دونوں کو ایسی نعمتیں عطا فرمائیں جن میں سے کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں پہنچتی
 اسلام نے غلامی کو صرف ان مذہبی لڑائیوں میں مباح قرار دیا ہے جو غیر مسلمان وحشی قوموں
 سے واقع ہوں حالانکہ اس وقت دوسری قوموں نے غلامی کے ایسے طریقے اختیار کر رکھے
 تھے جنہ انسان کو سخت نفرت ہوتی ہے اور جن کو حیوان بھی قبیح سمجھتے ہیں۔ علاوہ
 ازیں اسلام نے غلامی کو ایک تنگ دائرہ میں محصور کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ غلاموں کو
 ایسے حقوق عطا فرمائے ہیں جو زیادہ تر مذہب اور شائستہ ملکوں میں آزاد لوگوں کو
 ہی نصیب نہیں تھے۔ اگر وحشی قوموں کو معلوم ہوتا کہ مسلمان اپنے غلاموں کا کشتہ
 خیال رکھتے اور کس درجہ ان پر مہربانی اور شفقت کرتے ہیں تو وہ اپنے جگر گوشوں کو بطور
 غلامی کے ان کی خدمت میں باמידتبولیت پیش کرتے جیسا کہ شفیق باپ اپنے
 بیٹے کو کسی علمی مدرسہ کے مہتمم کی خدمت میں پیش کرتا ہے تاکہ وہ کسی دن آدمی بن کر نکلے۔ اور
 وحقیقت جبکہ مسلمانوں کے غلاموں کے باپ اور بہائی بچوں اور بیابانوں میں مارے
 مارے پھر رہے تھے اس وقت یہ لوگ اسلامی سوسائٹی میں نہایت آرام اور عزت کے
 ساتھ رہے تھے اور ملکی اور جنگی صیغوں میں اکثر اشخاص مثلاً بلال اور سالم اور سلمان
 بہت بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ میں اس آزادی اور مساوات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو سلطانوں
 میں موجود تھی کہ اگر سوڈان کے بادشاہوں کو معلوم ہوتا کہ عمر بن الخطاب جنگ کے نام
 سے بڑے بڑے جبار بادشاہوں کے تخت لرزاتے تھے ایک غلام کو (سیدنا) کما کر
 خطاب کرتے تھے تو وہ اپنی سلطنت سے اتر کر اپنے آپ کو بطور غلام کے اس قوم

کی خدمت میں پیش کرتے جو اپنے غلاموں کو بوجہ انکی ذاتی خوبیوں اور شخصی فضیلتوں کے اپنا سردار بناتی ہے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اسلام نے غلامی کو بالعموم اور ہمیشہ کے لئے برقرار رکھا ہے اور کوئی ایسا اشارہ نہیں کیا ہے جس سے ایک عقلمند آدمی سمجھ سکے کہ وہ کسی دن ایک برّاطریقہ خیال کیا جائیگا جیسا کہ آجکل ہے؟ بیشک اُس نے اس بات کی طرف صریح اشارہ کیا ہے جسکو شہرِ سمجھہ سکتا ہے اور جس کی کسی طرح پرتاویل نہیں ہو سکتی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”بدترین مال آخر زمانہ میں غلام ہونگے۔“ مذہبِ اسلام کے ان علمی معجزات پر غور کرو اور ان لوگوں کے اقوال کی تکذیب کرو جو اسکی نسبت ایسی بنیاد ہمتیں لگاتے ہیں جو سراسر دہم اور خرافات ہیں۔ مثلاً یہ کہ اسلام غلاموں کو حیوان خیال کرتا ہے اور انکی خرید و فروخت کے لئے نیکاح قائل کر نیکو ایک امرِ مستحب قرار دیتا ہے اسی قسم کی اور خرافات ہیں جو مجموعوں میں پڑ ہی گئیں اور بہت سے سامعین کو یاد ہیں لیکن ضرور ہے کہ آخر کار حق غالب اور باطل مغلوب ہوگا۔ ”وَلتَعْلَمَنَّ بَنُیَآءُ بَعْدَ حَیَلِیْنَ“

۱۵ اس حدیث کو ابو نعیم نے حدیث میں ابن عمر سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(جامع الصغیر سیوطی)

حقوق الدین

جو شخص ابتداء سے آفرینش سے دیکر جب تک انسانی تاریخ پر غور کرے گا اسکو متعق طور پر ثابت ہو جائیگا کہ انسان کو دل میں اپنے مذہب کی محبت تمام چیزوں کی محبت پر غالب ہے۔ وہ نہایت خوشی اور کشادہ دلی کے ساتھ اپنے جان و مال اور اہل و عیال کو مذہب کی حمایت اور حمایت میں قربان کرنا گوارا کرتا ہے۔ اس دینی محبت کو قوموں نے غلط طور پر سمجھا ہے اور اسکو افسوس کے اس درجہ پر پہنچا دیا ہے جو نہایت ہولناک ہے حتیٰ کہ ہر قسم مظالم اور سخت جرائم کا ارتکاب مذہب کی حمایت اور لمحوں کی بربادی کے سلسلہ میں انکو آسان ہو گیا۔ اس قسم کی تمام شورشیں صرف اسوجہ سے برپا ہوئیں کہ دیندار لوگ انسانی زندگی کے اصول فطرت اور سوسائٹی کے قوانین سے ناواقف تھے۔ جس سے ایسے ناگوار نتائج پیدا ہوئے جو ان مستعصب قوموں کی تاریخ میں یادگار ہیں۔ مذہب اسلام جو حقیقت شناسی کا مذہب اور انسانی مساوت و فلاح کا سرچشمہ ہے اسنے اپنے پیروں کے لئے ایک ایسی شاہراہ قائم کر دی ہے کہ اگر دنیا کے فلاسفر اپنی پوری قوت کے ساتھ کوشش کریں تاہم وہ اپنی قوموں کے فہمنوں میں ایسے صاف اور سچے اصول قائم نہیں کر سکتے۔ اگرچہ انکو عام خیالات پر کیسا ہی تسلط اور اقتدار حاصل ہو۔ درحقیقت یہ امر نہایت تعجب انگیز ہے کہ اسلام اپنے پیروں کے لئے کوئی ایسا اصول کے کہ مذہبی محبت میں کچھ کمی آئے مذہبی کینے کے نکلنے میں کس طرح کامیاب ہو ا حالانکہ ہم اپنی انکو نے دیکھتے ہیں کہ جس قوم کو اپنے مذہب سے زیادہ تر محبت ہو یہ قدر زہری

مخالفوں کے ساتھ اس کی عداوت بڑھی ہوئی ہوتی ہے؟ بیشک اسنے ایسے طریقے سے
 کامیابی حاصل کی ہے جو نہ آجکل کے میٹھی ایمان شائستگی سے سنگیاب ہے اور جس کی اولاد
 علمی دنیا سے صرف اسی وقت سے آنی شروع ہوئی جب سے علمائے انسان
 اور حکمائے نفسانی اسرار اور شائستگی کی تاثیرات سے واقف ہوئے ہیں۔ جبکہ
 اکثر مذاہب کے پیشوا اپنے پروردگو خطاب کر کے کہہ رہے تھے کہ خدا نے حکم
 دیا ہے کہ تمام انسانوں کو ایک متحد گروہ ہونا چاہئے ان سب کا مذہب ہی ایک ہو
 انکے اخلاق و عادات ہی یکساں اس خدائی اصول کی تائید میں تنکو حتی المقدور کوشش
 کرنا چاہئے کیونکہ نوع انسان میں باہمی اختلاف خدا کو سخت ناپسند ہے اسوقت
 خدا نے حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ وحی نازل فرمائی تھی۔

”لَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ
 النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً
 وَكَانَ بَرَأۡوُنَ مُخْتَلِفِیۡنَ
 اِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ
 لَٰذٰلِكَ خَلَقَهُمْ“ ۝ وَلَوْ شَآءَ
 رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِی الْاَرْضِ
 كُلُّهُمۡ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تَكۡفُرُ
 النَّاسَ حَتّٰی يَكُوۡنُوۡۤا
 مُوۡمِنِیۡنَ“ ۝ اِنَّكَ لَا
 تُهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبَۡتَ

”اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی امت کا کر دیتا
 لیکن لوگ آپس میں ہمیشہ اختلاف رہیں گے مگر جسے پروردگار
 پسند کرے اور اسی لئے تو انکو پیدا کیا ہے
 ”اور اسے پیغمبر تمہارا پروردگار اگر چاہتا تو
 جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب
 ایمان لے آتے تو تم لوگوں کو مجبور کر سکتے ہو کہ
 سب کے سب ایمان لے آویں“ ۝ اور
 اسے پیغمبر اپنی خواہش کے مطابق تم جسکو
 چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ وہ جسکو چاہتا ہے
 ہدایت دیتا ہے“

ولكن الله يهدي من يشاء

جبکہ اکثر مذاہب کے رؤسا اپنے پیرو کو حکم دے رہے تھے کہ وہ لوگوں کو اپنے مذہب میں لانے کے لئے جس طرح ممکن ہو مجبور کریں اگرچہ اس میں فتنہ و فساد برپا ہوں بے گناہ قتل کئے جائیں بچے یتیم ہوں اور بستیان ویران ہوں اور امن عامہ میں خلل آئے اُسوقت خدا کی طرف سے پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو یہ خطاب ہو رہا تھا ”وقل الحق من ربکم

اور اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ یہ قرآن برحق

ہے پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ

مانے، ”وین میں زبردستی کا کچھ کام نہیں

ہے مگر ابی سے ہدایت الگ ظاہر ہو چکی ہے

”اے پیغمبر لوگوں کو عقل کی باتوں اور اچھی اچھی

نصیحتوں سے اپنے پیرو و گار کے راستہ

کی طرف بلاؤ اور انکے ساتھ بحث بھی کرو

تو ایسے طور پر کہ وہ لوگوں کے نزدیک بہت

ہی پسندیدہ ہو اور اے پیغمبر جو کوئی خدا کے

راستے سے ہٹا کہتا رہا پروردگار اس کے حال

سے بخوبی واقف ہے اور نیز وہ ان لوگوں کے

حال سے بھی واقف ہے جو راہ راست پر ہیں۔“

ان تمام آیات و بیانات سے مسلمانوں کے دلوں میں دو عظیم الشان قاعدے

فرشاء فلیوم من

ومن شاء فلیکفر

”لا اکراہ فی الدین

فد تبین الرشد من

الغی“ ”ادع الی

سبیل ربک بالحکمۃ

والموعظۃ الحسنۃ و

جادلہم بالآتی

ان ربک ہو علیم

ومن ضل عن سبیلہ

وہو اعلم بالہتدین

۔ ۔ ۔ ۔

ستحکم ہو گئے جنہوں نے مسلمانوں کے نفوس کو ہر قسم کے مذہبی تعصبات اور کمینوں سے پاک صاف کر دیا۔ پہلا قاعدہ جو ان کے ذہن میں ان آیات کے مضمون سے راسخ ہوا وہ یہ تھا کہ خدا کا یہ فیصلہ ناطق ہو چکا ہے کہ دنیا کے گروہوں میں مذہب اور اعتقادات اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے ہمیشہ اختلاف پیرگیا پس جو شخص اس آسمانی فیصلہ کے برخلاف کوشش کرتا ہے وہ خدا کے نزدیک نافرمان اور اس کی ناراضی کا مستحق ہے۔ دوسرا قاعدہ جو انہیں آیات سے بطور نتیجہ کے اُنکو حاصل ہوا، یہ تھا کہ لوگوں کا خدا کے دین سے انکار کرنا باعثیہ ہے کہ انکی سمجھ اور ان کی عقل کے درجات مختلف ہیں۔ اس مذہب کی اشاعت صرف انہیں لوگوں میں ممکن ہے جو خوش فہمی سے اُسکے سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں۔ اور اسیلئے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسلامی حقائق کی اشاعت میں نہایت مناسب طور پر کوشش کریں اور حکمت اور انہی نصیحت کے ساتھ لوگوں کو اُنکی طرف دعوت دیں۔ یہ دونوں قاعدے جنکو مسلمانوں نے اپنی آسمانی کتاب سے سمجھا ہے وہ اُنکو مجبور کرنے ہیں کہ وہ مذاہب اور اہل مذاہب کے اختلاف کو خدا کی مرضی اور اُسکی حکمت کا اقتضا خیال کریں۔ علماء تمدن نے جو باتیں اُجکل ثابت کی ہیں وہ اُنکے عقیدے کو اور زیادہ راسخ کرتی ہیں مثلاً علماء تمدن کا یہ قول کہ تمدن اور تہذیب کی نشوونما اور ترقی کے لئے نوع انسان کا اختلاف ایک ضروری امر ہے اور نوع انسان کو سعادت و فلاح کے اُن مدارج پر پہنچانے کے لئے جو قدرتی اس کے واسطے مقرر کئے ہیں اختلاف کا ہونا قطعاً لازمی ہے۔

ہمارے فہمنوں میں ان حکیمانہ اصولوں کے مقرر کرنے کے بعد اسلام بہو حکم دیتا ہے کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ جو اسکی شریعت سے اعراض کرتے ہیں ویسا ہی معاملہ کریں جیسا

خدا انکے ساتھ کرتا ہے۔ خدا انکے ساتھ ایسا معاملہ کرنے پر قادر ہے جسکو وہ برداشت نہ کر سکیں گے۔ ایسا نہیں کرتا بلکہ وہ انکے ساتھ دنیوی زندگی میں مثل دوسروں کے معاملہ کرتا ہے بلکہ بسا اوقات اگر ان میں اوی سعادت حاصل کر سکی اہمیت ہوتی ہے تو وہ اکثر اوقات دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ خدا نے فرمایا ہے۔ ”من یرد حرث الدنیا فوتہ منھا“ بیشک اسلام حکم دیتا ہے کہ جو لوگ مذہب میں ہمارے مخالف ہیں انکے مذہبی معتقدات پر ہم پر وہ ڈالیں اور نہایت نرمی اور اخلاق سے ان کے ساتھ برتاؤ کر نیکو حکم دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے ”لایخفأ کما اللہ عن الذین لم یتقوا لکم فی الدین ولم یجزو لکم من دیار کما ان تترحموا علیہم“ اور انکو تکلیف دینی سے بہکونع کرتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص کسی ذمی کو تکلیف دیکمیں اسکا خضم ہوں اور جب کامیں خضم ہوں قیامت میں اسپر میں ضرور غالب ہوں گا۔ اور نیز فرمایا ہے ”جو شخص کسی ذمی کو تہمت لگا دیکم قیامت کے دن آگ کے کوڑوں سے اسکو دھلکا جائیگی“

علاوہ ازیں ہمارا مذہب حکم دیتا ہے کہ ہم قانون کے سامنے ان کو اور اپنے آپ کو برابر سمجھیں اور انکی حق تلفی سے بھگورانا ہے یہ ایک ایسی بات ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں مل سکتی۔ کیا اسوقت دنیا میں کوئی ایسی قوم موجود ہے جس میں عدالت اور انصاف اس درجہ محکم ہو گئے ہوں کہ اگر اس قوم کا ہر کسی اجنبی شخص کو قتل کر ڈالے تو اس

۱۔ حدیث من ہے اسکو غیبی تیاج میں ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیث من ہے اسکو ہرانی نے کبیر میں دائد سے روایت کیا ہے۔

کے بدامین و قتل کیا جائے۔ اسلامی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک یہودی ذوالیرمکین
عمر بن الخطاب کی حضور میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد
بھائی اور داماد تھے شکایت کی۔ آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ اے ابوالحسن! تمہارا اپنی
خصم کے سامنے بیٹھو انہوں نے ایسا ہی کیا مگر اس وقت ان کے چہرہ پر کینہ و کدورت
کے آثار ظاہر ہوئے۔ جب یہ معاملہ فیصل ہو چکا تو حضرت عمرؓ نے اسے پوچھا کہ کیا خصم
کے سامنے بیٹھنا تم کو ناگوار ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ سرگرم نہیں بلکہ مجھ کو صرف اس لئے ملال ہے
کہ آپ نے اس موقع پر مساوات کی پوری رعایت نہیں کی اور مجھ کو کینہ کے ساتھ خطا
کنیت کی تہنیت خطاب کر نیسے (یعنی تعجبی جاتی ہے)۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ نوع انسان کی تاریخ میں قانون
کے سامنے اس قسم کی مساوات کی نظیر مل سکتی ہے کہ قوم کے زبردست سردار جب کا نام
لینے سے باؤشا ہونے تحت لرزتے ہیں اور عزیز ہر ایک ادنیٰ اور بازاری شخص کے
ساتھ یکساں طور پر قانونی برتاؤ کیا گیا ہو؟ دنیا کی تمام قوموں کی تاریخ ہموار بتاتی ہے کہ
اس درجہ کی مساوات موجودہ زمانہ سے پیشتر کسی ایک قوم کو مختلف طبقوں میں قائم
نہیں ہوئی۔ اس سے ہم کو کامل یقین حاصل ہوتا ہے کہ اس حقیقی عدالت پر سوائے
اسلامی قوم کے اس وقت تک دنیا میں کہیں عمل نہیں کیا گیا۔

گذشتہ زمانہ کی متمددن قوموں میں عدالت اور انصاف کا صرف نام ہی نام تھا۔ ایک
ہی جرم میں مختلف طبقے اور مختلف حیثیت کے لوگوں کو مختلف سزائیں دی جاتی تھیں۔

اپنی قوم کے ساتھ حکام اور رؤساء زرعی اور رعایت کرتے تھے۔ وہ مساوات جیسے
اس زمانہ کے علما و فخر کرتے ہیں فرانس کی ہوناک بغاوت کا نتیجہ ہے جس میں بشمار
جائیں برباد ہوئیں۔ موسیو۔ لاروس۔ دائرة المعارف میں لکھا ہے کہ ”روما میں

سزائیں ایک ہی قسم کے جرائم میں مجرموں کی حالت اور حیثیت کے لحاظ سے مختلف
 دیکھتی تھیں، اُسکے بعد اُس نے اُس جبر و تعدی کی تفصیل کی ہے۔ اور پھر بغاوت سے
 پیشتر فرانسیسی قانون پر بحث کی اور اُس کو بھی ایسے ہی عیوب ظاہر کئے ہیں۔ اُسکے
 بعد لکھا ہے کہ ”عقائد کی بغاوت نے ان تمام امتیازات کو بھی اُس تحریک کے
 حوالہ کیا جس نے ان تمام خطابات کو نیست و نابود کیا جو خاندان اور وراثت کے تابع ہوتے
 تھے۔“

مسلمان کیونکر اپنے مذہب پر فخر نہیں کر سکتے جبکہ اپنی ثابت ہو چکا ہے کہ وہ
 مساوات جس کو حکماء ہر قسم کی تمدنی سعادت و فلاح کا ذریعہ خیال کرتے ہیں وہ سب
 سے پیشتر اسلامی قوم میں قائم ہوئی۔ اور وہ صرف باہم مسلمانوں کے درمیان ہی نہیں
 تھی بلکہ ایک جلیل القدر مسلمان اور دوسری قوم کے ایک ادنیٰ اور ذلیل آدمی کے درمیان
 بھی وہی مساوات برتی جاتی تھی۔ اے خدا! ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ عدالت کسی انسان
 کی بنائی ہوئی نہیں ہے اور چودہ صدیوں سے پیشتر کسی کی امکان میں تھی بلکہ یہ خاس
 تیری عدالت ہے جو ہر چیز کو محیط ہے۔ اے خدا! تو ہمارے مذہب کے معجزات کے سمجھنے
 کی توفیق عطا فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مذہب اسلام ہمو دیگر اہل مذاہب سے نیکی اور اشتی کے ساتھ سلوک کر چکا
 حکم دیتا ہے۔ یہ سلوک ہمو کسی خوف یا لالچ سے نہیں کرنا چاہئے بلکہ نہایت صاف
 اور سچی نیت سے۔ بلکہ وہ ہمو انکی غیبت اور بدگوئی سے دیا ہی منع کرتا ہے جیسا کہ
 ایک مسلمان کی غیبت سے۔ اُس نے وہی عدالت اور فرضی قانون کی آڑ میں دیموں
 کی چیز و نہر ٹیکس باندھنا اور تاوان عائد کرنا مباح نہیں قرار دیا ہے جیسا کہ ہمیشہ

تو نہیں اپنے ان مجکوموں کے ساتھ کرتی ہیں جو مذہب میں انکے خلاف ہیں۔
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے اپنی پاک سیرتوں کا نمونہ
 ہمارے واسطے چھوڑا ہے۔ اجنبی لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہکوانگی پر ردی جواب
 ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیر مذہب والوں کی مجلسوں اور دعوتوں میں تشریف
 لیجاتے تھے، انکے جنازوں کی مشائخست کرتے اور مصائب کے وقت رحمت فرماتے
 اور کرتے تھے غرض کہ ان تمام تمدنی معاملات میں جو اس گروہ میں ہونے چاہئیں جو ایک
 قانون کے زیر حکم ہے اور جس کی یہودی مشترک ہے دیگر اہل مذاہب کے ساتھ کیسا
 برتاؤ کرتے تھے۔ احادیث میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات
 اہل کتاب سے دراجم وغیرہ قرض لیتے تھے اور اُسکے معاوضہ میں اپنی کوئی چیز بہن
 کر دیتے تھے۔ اسکی یہ وجہ ہرگز نہ تھی کہ آپ کے اصحاب آپ کو قرض دینے سے عاجز
 تھے کیونکہ بعض صحابی دو تہمذ اور جاگیر دار تھے اور وہ سب آپ کی خوشی کے مقابلہ
 میں اپنی جان و مال قربان کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتے تھے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم صرف امت کو اس امر کی تعلیم دینے کی غرض سے ایسا کرتے تھے کہ اسلام کا تہ
 اس سے بالاتر ہے کہ وہ اپنے پیرو کو دیگر اہل مذاہب سے جو انکے ساتھ رہتے ہیں
 صرف اسلئے قطع تعلق کر لیا حکم دے کہ وہ اعتقادات میں انکے خلاف ہیں۔ اس سہ
 صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان تنہا ایک اجنبی قوم کے ملک میں رہ سکتا ہے
 اور یہ امر اسلئے بے کچھ مضر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انکے ساتھ اسکو شادی کرنے کی بھی
 اجازت ہے۔

تہذیب اور شائستگی کی سقد رکنا ہیں ہمارے سامنے موجود ہیں ان میں کوئی

کتابیسی نہیں ہے جسکا فلسفہ نوع انسان کے احترام کی طرف اسقدر ترغیب دینے والا ہو جقدر کہ اسلام و تیب ہے۔ گذشتہ اور موجودہ زمانہ کی تواریخ پر غور کر دے، تمکو ایک انسان کے دوسرے انسان پر ظلم و ستم کرنے کے ایسے دردناک واقعات معلوم ہونگے جنکو دیکھ کر تمکو سخت یاوسی ہوگی کہ انسانی افراد کے درمیان نوع انسان کے احترام کا اصول قائم نہیں ہو سکتا۔ اور تمکو متنی کے اس قول کی تصدیق کرنا ایک لازمی امر ہوگا

والظلم من شلیم النفوس فان تجد

ذاعفة فلعلہ لا یظلم

ک بیشک ہمکو تواریخ سے انسانی افراد کے باہمی ظلم و ستم کے ایسے دردناک واقعات معلوم ہوتے ہیں جن سے روئ گئے ٹھٹھے ہوتے ہیں اور نیز ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام خونریزیوں اور بے رحمیوں کا باعث صرف مذہبی حمایت ہے۔ ہم ہرگز خیال نہیں کر سکتے کہ کوئی آسمانی مذہب اپنے پیروں کو مکمل دیکھتا ہے کہ نہایت مساوت قلبی اور بے رحمی کے ساتھ دیگر اہل مذہب کا استیصال کر دیں۔ مگر اسکو ہم ان کی غلط فہمی یا ذاتی ضرورتوں اور نفسانی خواہشوں کی وجہ سے تحریف و تاویل اور تدلیس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے وہ بڑھتی ہوئی آگ کے حوالہ کئے جاتے یا پاٹھنیوایے حیوانات کے آگے ڈال دئے جاتے تھے۔ یا انکی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر انکو مختلف سمتوں میں چوڑ دیتے تھے۔ تاہنا پھلا کر انپر ڈال دیتے تھے۔ یا انکو دم آگ پر کئی کئی روز تک لٹکائے رکھتے تھے اور ان کی شور و زبرد اور آہ و فغاں کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے انکا گوشت کٹ کٹ کر

گرتا جاتا اور چربی لپک کر بہتی جاتی تھی۔ یہ باتیں لوگ دیکھتے اور سنتے تھے مگر کسی کو رحم نہیں آتا تھا۔

ان لوگوں کے ساتھ مکہ میں مذہبی تعصب اور برہمنی کی آگ بھڑک رہی تھی جو دیگر اہل مذہب کا استیصال کرنے پر آمادہ کرتی تھی مسلمانوں کے ان وسیع اور کشادہ سینوں کے ساتھ جو ہمت اور حکمت، رحمت اور مردت سے ہرگز متعلق نہ تھے۔ یہ مسلمانوں ہی کی فریاد دہی تھی جو اس امر کی اجازت دیتے تھے کہ انکی مسجدوں کے میناروں کے سامنے گرجاؤں میں ناقوس بجائے جاویں اور اس سے کسی قسم کی کوئی تحریک پیدا نہ ہو۔ حالانکہ وہ دنیا کی سلطنت اور حکومت انکے ہاتھوں میں تھی اور کوئی شخص انکا شریک اور مد مقابل موجود نہ تھا۔ بلاشبہ وہ غیر مذہب والوں کی مذہبی آزادی کو روک سکتے تھے جیسا رومانیوں نے نہایت سختی کے ساتھ کیا تھا۔

اسلامی لشکر فتح اور نصرت کا تاج اپنے سر پر رکھے ہوئے ان ممالک میں داخل ہوتا تھا جہاں باشندے اعتقاد میں انکے خلاف ہوتے تھے۔ وہ اپنی تمام تر ہمت صرف اس میں صرف کرتا تھا کہ مفتوح قوم کو اطمینان دلائے کہ ان کی مذہبی آزادی بہستور قائم رہیگی انکے معبودوں کی حفاظت کیجاو گی۔ دشمنوں کے مقابل میں ان کی حمایت اور مدافعت کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا جائیگا اور وہ اپنے مذہبی فرائض اور دینی مراسم کے ادا کرنے میں بالکل آزاد اور مطلق العنان ہوں گے۔ یہ بالکل اسلام کی پاک تعلیمات اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی تھی۔

کیا اسکے بعد ہی کوئی مکارہ کرے جو الاکہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں نے انسا کا احترام نہیں کیا دنیا کی تمام قوموں سے فائق نہیں ہیں یا اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ انکے مذہب

کی شان اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ اختلاف عقائد کی وجہ سے ظلم اور بے رحمی کو جائز قرار دے۔ اسلام اپنے پیروں کے لئے میدان جنگ میں سخت ترین دشمنوں کے ساتھ ہی ظلم و تعدی جائز نہیں رکھتا۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

”وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ اور جو لوگ تم سے لڑیں تم ہی اللہ کے رستے یعنی دین
الَّذِينَ يقاتلونكم ولا تعدوا کی حمایت میں اسے لڑو اور زیادتی نہ کرو اللہ کی طرح
ان الله لا يحب المعتدين“ زیادتی نہ کرو انکو پسند نہیں کرتا،

اسلام کسی شخص کو اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے کا حکم نہیں دیتا جبکہ وہ دوسرے
مذہب کے پیروہوں بلکہ نیکی کے ساتھ اسے سلوک کرنے اور ان کے تمام حقوق ادا کرنے
کی ترغیب دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ”اور ہمنے انسان کو اس کے ماں

”ووصینا الٰہناں“ باپ کے حق میں تاکید کی (کہ ہر حال میں انکا ادب ملحوظ رکھی
جو الٰہیہ حملتہ امہ و ہنا کہ اسکی ماں فہمچو چیکو اٹھ کر اسکو پیٹ میں رکھا اور پریشیں
علی و ہن و فصا لہ فی رکھنے کے کہیں دو برس میں جا کر اسکا دودھ چوستا ہے اسی
عامین ان اشکر لے لحاظ سے ہمنے انسان کو حکم دیا کہ ہمارا ہی شکر گزار رہا اور
ولو الٰہیک الی الخمیر اپنے والدین کا بھی اور آخر کار ہماری ہی طرف تم سب کے
وان جاهدک علی لوگوں کو آنا ہے۔ اور اسے مخاطب اگر تیرے ماں باپ اس بات پر مجبور
ان تشکر ربے کریں کہ تو ہمارے ساتھ کیسے کو شریک خدا کی بنائے جس کی
مالیس لک بہ علم فلا تیرے پاس کوئی دلیل ہی نہیں تو اس میں انکا کمانا ماننا
قطعہما وصاحبہما مگر ہاں دنیا میں سعادت مند نہ
فی الدنیا معروف ان کی رفاقت کر

و اٰتبع سبیل من اٰنا اب
 اور ان لوگوں کے طریق پر چل جو ہر ایک بات میں ہماری
 طرف جہم لادیں یہ پھر کراتم سب کو ہماری طرف لوٹا کر ناچو
 ف اٰتبعکم بما کمتم تعلّموا جیسے جیسے عمل تم لوگ کرتے ہو اُسوقت اُنکا بڑا ہدایت ہم کو بتاؤ گیو
 اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میری والدہ
 رسول خدا صلی اللہ علیہ کے زمانہ میں مجھ سے ملنے کی غرض سے آئیں میں نے آنحضرت
 سے دریافت کیا کہ کیا میں اپنی والدہ سے ملوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ ابن عقیبہ کہتے
 ہیں کہ اسکے بعد خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔

”لَا یُخَافُکُمْ اللّٰهُ
 عد الذین لم یقاتلوکم
 فی الدین ولم یخزوکم من
 دیا کہ ان تبروہو و تقسطوا الیہم
 ان اللہ یحب المقسطین
 ” جو لوگ تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑے اور
 انہوں نے تم کو تمہارے گروں سے نہیں نکالا انکے
 ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے تو
 خدا تم کو منع کرتا نہیں کیونکہ منصفانہ برتاؤ کرنیوالوں کو
 دوست رکھتا ہے “

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک
 بطور ہدیہ کے اپنے مشرک بھائی کے پاس بھیجا تھا۔

اسلام ایک عام مذہب ہے۔ خدا نے اُسکو تمام مذاہب کا ختم کرنے والا
 سئلہ نہیں بنایا کہ خاندان اور اپناے وطن یا نوع انسان میں تفرقہ اور اختلاف
 ڈالنا چاہتا ہے ایک مسلمان شخص ایسے خاندان میں رہ سکتا ہے جسکے تمام افراد
 مذہب اور اعتقاد میں اُسکے مخالف ہوں اور یہ مذہبی اختلاف اُسکے ساتھ کسی قسم کا

بر اسلوک کرنے پر اُسکو تانا دہنیں کرتا بلکہ جب تک وہ لوگ محبت اور صدق نیت کے اصول پر ثابت قدم ہیں اُسوقت تک انکے تمام حقوق ادا کرنے اور ان کی حمایت کرنے کی ذمہ دیتا ہے۔

مذہب اسلام صرف انہیں گردوہونکے ساتھ نیکی اور شریفانہ اخلاق کے ساتھ ملنا کر نیکی ہدایت نہیں کرتا بلکہ وہ تمام دنیا کے ساتھ ایسا ہی کرنے پر آمادہ کرتا ہے خواہ وہ کسی مذہب اور کسی فرقہ میں ہوں۔ اس قسم کے اختلافات سے قطع نظر کرنی چاہئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”وہ شخص ناکامی اور خسارہ میں رہا جسکے دل میں خدا نے انسان کی طرف سے رحم نہیں دیا“ اور نیز فرمایا ہے کہ در تمام مذاہب کے ماننے والوں کو صدقہ دو، انہیں آسمانی احکام پر مسلمانوں نے عمل کیا اور کرتے ہیں اگرچہ لوگوں کو گمراہ کرنے والے انکے ذمہ اتمام لگادیں۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ایک فحشی شخص بیک مانگتا ہوا دہاں سے گزرا۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ وہ سننے اس شخص کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ یہ بات اچھی نہیں ہے کہ جوانی کی حالت میں ہم اس سے جزیہ وصول کریں اور بڑاپے میں بیک مانگتا ہوا چھوڑ دیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، اور آپ نے مسلمانوں کے بیت المال سے اُسکا وظیفہ مقرر فرمایا۔ ان پاک نفوس کے تقدس اور انکی فراخ دلی پر غور کرو۔ درحقیقت یہ نہایت تعجب انگیز امر ہے کہ اسلام ان غریبوں کے دلوں پر جو جاہلیت میں ضرب البتل بتے اس قدر گہرا اثر ڈالنے میں کیونکر کامیاب ہوا اور انکو خوش اخلاقی اور بے تعصبی میں اس قدر اعلیٰ مرتبہ پر پہنچایا جو معجزہ سے کسید طرح کم نہیں ہے اور یہ ایسے زمانہ کی

بات ہے جبکہ اس قسم کی اعلیٰ اخلاقیات اور شرفیاء و رعیتیں تمام نوع انسان سے بالکل مفقود تھیں۔

دوسرے مذاہب اور معتقدات کے لوگ جو مسلمانوں کے ساتھ ہتھتے تھے انکے ساتھ جتنے فیاضانہ سلوک مسلمانوں کی طرف سے کیا جاتا تھا اُس کی نظیر نوع انسان کی تاریخ میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ غیر مذہب والوں کے ساتھ ان کی حسن معاشرت کی وہ کیفیت تھی جو آجکل حقیقی بہائیوں میں ہی نہیں ہو سکتی جنہوں نے ایک خاندان میں نشوونما پائی ہو۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ”میں عبداللہ بن عمر کی خدمت میں حاضر تھا اور ان کا ایک غلام فزع کی ہوئی بکری صاف کر رہا تھا آپ نے غلام سے کہا کہ جب تم اسکو فضا کر چکو تو سب سے پہلے ہمارے ہمسایہ یہودی کو دینا۔ اس قول کو آپ نے کئی بار فرمایا غلام نے عرض کیا کہ آپ کتنی مرتبہ فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمسایہ کے ساتھ بھلائی کرنے کی اس قدر وصیت فرمایا کرتے تھے کہ ہکو اندیشہ ہو گیا تھا کہ آپ اسکو وارث قرار دینگے۔“ براہ مہربانی آپ اس معاملہ کو مغرب کے مذہب اور شائستہ شہر و مکی موجودہ حالت کے ساتھ مقابلہ کرو۔ ہم ہمیشہ سنتے ہیں کہ مغربی ممالک میں آئے دن خفیہ اور علانیہ کمینیاں قائم ہوتی ہیں جنکا مقصد یہودیوں کو مستانا اور ذلیل کرنا ہوتا ہے کیا ان واقعات کے بعد بھی جو ہم نے اس فصل میں بیان کئے ہیں کوئی فتنہ انگیز مسلمانوں پر مذہبی تعصب کی تمت لگا سکتا ہے۔ مذہب اور شائستہ ممالک میں ہمیشہ مذہبی تعصب کے ہم ایسے واقعات سنتے ہیں جن سے شرم آتی ہے۔ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کسی اسلامی شہر میں کوئی ایسی کمیٹی قائم ہوئی ہو جسکا اہم مقصد کسی مذہبی فرقہ کی مخالفت ہو۔ ہرگز نہیں۔

اس فصل کے ختم کرنے سے پیشتر ہم یہ بات ثابت کرنا مناسب خیال کرتے
 ہیں کہ مذہبی تعصب جس سے اسلام اور مسلمانوں کا پاک صاف ہونا ہٹنے ابھی بیان
 کیا ہے۔ صدیوں سے اس وقت تک تمام یورپین قوموں کا معمول رہا ہے۔ یہ ایک
 ایسا مرض تھا جس کے معا لجمہ سے ان کے تمام اطبا عاجز تھے۔ تقریباً ایک صدی سے اس
 بیماری میں کسیدہ تخفیف شروع ہے۔ اس کے ثبوت میں ہم علامہ چول سیمون (ایک
 فرانسیسی حکیم) کا قول نقل کرتے ہیں جو اسے تاریخ الاعتقادات میں کہتا ہے۔ وہ
 لکھتا ہے کہ ”مذہب کی کوئی قدیم زمانہ کی یادگار نہیں ہے کیونکہ تمام عالم کی تاریخ و حقیقت
 مذہبی تعصب کی تاریخ ہے۔ مذہبی تعصب جو آرزو سچی بہت زیادہ قدیم ہے وہ تاریخ
 کے بعید ترین زمانوں تک چلا جاتا ہے“ اس کے بعد علامہ مذکور نے مذہبی تعصب
 کے آثار کو شمار کیا ہے جو قرونِ مظلہ سے لیکر قرونِ متوسطہ تک ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد
 لکھا ہے کہ ”اور آخر کار ۱۸۰۳ء اگست ۱۹ء کو فلسفی روح مذہبی آزادی کے قائم
 کرنے میں کامیاب ہوئی اور یہ امید ۱۸۹۱ء میں پوری ہوئی۔ اور یہ وہ تاریخ ہے جس میں
 یہودیوں کو مظالم سے آزادی ملی۔ اور باوجود ان تمام باتوں کے فرانسیسی بغاوت جو حسن
 انتظام سے خالی تھی مذہبی آزادی کو مستحکم نہ کر سکی۔“



واجبات المسلمین لمعاہدہ

معاہدہ کی حفاظت کرنا مسلمانوں کے نزدیک ضروری فرض ہے جسکا ادا کرنا ہر ایک مسلمان پر قطعاً لازمی ہے۔ کسی مسلمان کو کسی سبب سے معاہدہ کا توڑنا جائز نہیں ہے تا وقتیکہ دوسرا فریق اسکے توڑنے میں پیشقدمی نہ کرے۔ مثلاً خواہ اہل کتاب کے ساتھ کیا جاوے خواہ مشرکوں کے ساتھ دونوں صورتوں میں مسلمانوں پر اس کی پابندی اور حفاظت یکساں لازمی ہے۔ خدا نے فرمایا ہے ”یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود“ اور نیز مومنین کی صفات کے سلسلہ میں فرمایا ہے ”والذین ہمکلاما ناعہد و عہدہم را عود“ جو شخص اسلام کی تبلیغ کی ابتدا سے آج تک رفق گردانی کر گیا ہو اسکو محقق طور پر معلوم ہو جائیگا کہ مسلمان ایسے لوگ ہیں جن کا حفظ عہد اور صدق نیت میں ضرب المثل ہیں۔ رسول خدا ﷺ کی تبلیغ میں عالی ہمتی اور صدق نیت کی ایسی مثالیں موجود ہیں جو اس زمانہ میں تو مومن پیشرو دہائے نصب العین رہنے کے قابل ہیں۔ قرآن مجید کی آیات مینات پر غور کرنے والوں کو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس میں حفظ کے علم پر قدر احکام موجود ہیں جسے قطعی یقین حاصل ہوتا ہے کہ اصول عدالت کے مطابق ہونے میں کوئی شریعت محمدی شریعت کے برابر نہیں ہو سکتی۔ دیکھو اسلام اپنی قلیل اور کمزور جماعت کو زبردست دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کی غیب دینے کے اثناء میں اپنے پیروؤں کو معاہدین کے معاملہ میں نصیحت کرنے سے

غافل نہیں رہا تاکہ ان کو کسی قسم کی تکلیف بھی نہ پہنچے۔ خدا نے فرمایا ہے۔

”وَلَبِشْرَ الَّذِينَ
كَفَرُوا لَعَذَابُ اللَّهِ
الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ
مِنَ الْمُشْرِكِينَ
ثُمَّ لَم يَنْقُصُوا شَيْئًا
وَلَمْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ
أَحَدًا فَأَتَوْا إِلَيْهِمْ
عَهْدَهُمْ إِلَى مَدِينَةٍ
إِنَّ اللَّهَ يَجِبُ الْمُتَّقِينَ“

اور اے پیغمبر کافروں کو عذاب دردناک
کی خوشخبری سنا دو ہاں مشرکین میں سے
جنکے ساتھ تم نے صلح کا عہد و پیمان کر رکھا
تھا پر انہوں نے ایسے عہد میں تمہارے
ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی اور تمہارے مقابلہ
میں کسی کی مدد کی وہ مستثنیٰ ہیں تو انکے ساتھ جو عہد
و پیمان جو اُسے اُس مدت تک جو انکے ساتھ ٹھہری تھی
پورا کر دو کیونکہ اللہ انکو جو بد عہدی سے بچے ہیں
دوست رکھتا ہے۔

معادہ کرنے والی قوموں کے افراد کے ساتھ جس طرح مسلمان معاملہ کرتے تھے
وہ اہل کتاب کے معاملات سے کسی طرح کم نہیں تھا جن کی نسبت ہم گذشتہ فصول میں گفتگو
کر چکے ہیں ان کی نسبت ہمارے پیغمبر نے یہکو وصیت کی ہے اور فرمایا ہے کہ ”مجھکو خدا
فرمادیا ہے کہ میں کسی معاہدہ اور غیر معاہدہ پر ظلم نہ کروں“ اور نیز فرمایا ہے کہ ”جو شخص معاہدہ کو قتل
کر گیا اُسکو جنت کی خوشبو نصیب نہ ہوگی“ اور فرمایا ہے کہ ”جو شخص کسی کو پناہ دے اور
کوئی اُسکو قتل کر دے تو میں قاتل سے بری ہوں اگرچہ مقتول کافر ہو“ جو شخص تمدن

اس حدیث کو احمد نے اپنی مسند میں اور ابو داؤد اور سنائی نے سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

اور مہذب قوموں کی تیاری پر غور کرنا ہر کمزور قوموں کے ساتھ انکا سلوک دیکھ کر اس کے رنگوش
کہڑے ہوتے ہیں کہ وہاں سوائے قوت کے کوئی قانون نہیں ہے۔ جو شخص بد قسمتی سے
کمزور ہوتا تھا وہ ہمیشہ بڑے آدمیوں کی غلامی کی قید میں گرفتار رہتا تھا۔

واجبات المسلمین لمجاہدہم

یہ بات تاریخی اجماع سے ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہ معظہ میں تنہا
اسلام کی طرف دعوت کر نیکو کٹھے ہوئے اور ایک قلیل جماعت نے جس میں عورتیں
اور بچے اور بڑے ہی شامل تھے ہلام مقبول کیا۔ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو
ایسی سخت تکلیفات اور ایذاؤں دی گئیں جنکو صرف وہی شخص برداشت کر سکتے ہیں جو ارادہ
سے ہلاک ہونے کو زیادہ تر آسان خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ حبیب رضی اللہ عنہ کو پیش
آیا۔ ان کو قید کیا گیا اور آگ کی تکلیف دی گئی اور جب ان کو قتل کرنے لگے تو انہوں
نے دو کہتیں پڑھنے کی اجازت مانگی۔ اور نماز سے فارغ ہو کر کہنے لگے اگر تم خیل
نہ کرتے کہ میں قتل ہونے سے ڈرتا ہوں تو میں ان رکعتوں کو زیادہ دہرا کرتا۔ اسے
خدا تو ان سب کو گھیرے اور انکو قتل کر اور کسی کو باقی مت چھوڑ۔ اس کے بعد شیطان
پڑھنے لگے۔

علی امی جنب کان للہ مصرعی
یبارک علی اوصال شلو عمرہ

واللہ علی جین ا قتل مسلما
وذلك في ذات الاله وان يشا

یہ واقعہ جو ہم نے بیان کیا ہے صرف ایک شخص کو پیش آیا تھا اور اسکے سوا دوسرے مسلمانوں کو جو واقعات پیش آئے وہ اس سے بھی زیادہ سخت تھے جن کی تفصیل کتب تواریخ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ غرض کہ اس قسم کے سخت مصائب تیرہ سال تک مسلمانوں کی کمزور جماعت پر نازل ہوتے رہے۔ اسکے بعد رسول خدا صلعم نے اول مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی اور پھر اسکے بعد یثرب کی طرف۔ وہاں انکو ایک گونہ قوت حاصل ہو گئی۔ مگر تمام عربوں نے ان کی مخالفت پر اتفاق کر لیا اور مسلمان نہایت درجہ خوف و ہراس میں مبتلا ہوئے۔ خدا نے انکے اطمینان اور تشکیں کی غرض سے یہ آیت نازل فرمائی۔

”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں اُنہیں خدا کا وعدہ ہے کہ (ایک نہ ایک) انکو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت کرے گا جیسے اُن لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو اُن سے پہلے ہو گئے ہیں اور جس دین کو اُس نے اُنکے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اسکو اُنکے لئے جا کر بھیگا۔ اور خوف و خطر (جو انکو لاحق ہے) اسکے بعد (عنقریب ہے) اسکو (اسکے) برادر میں امن دیگا کہ (باطمینان) ہماری عبادت کیا کریں گے (اور) کسی چیز کو ہمارا شریک نہ کرو انہیں گے“

وعدا اللہ الذین
امنوا منکم و عملوا
الصالحات لیس تخلفنہم
فی الارض کما استخلف الذین
من قبلہم ولعلکم
تفہم و یفہم الذین
ارتضیٰ لهم و لیس لہم
من بعدہم و فیہم منا
بعید و فیہم لا یشترکون
بشیئاً۔

اور جب جب تک تمام قبائل مجتمع ہو کر مسلمانوں کو مشاویع پر آمادہ ہوئے تو وقت

خدا نے ان کی ہی مدافعت کی اجازت دی اور ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی اور فتح و نصرت اور کامیابی کا ان کے ساتھ وعدہ کیا۔ خدا نے فرمایا۔

”اذن للذين يقاتلون
بأنهم ظلموا وإن الله
على نصرهم لقدير“
الذين يقاتلون
بأنهم ظلموا وإن الله
على نصرهم لقدير“
الخروج من ديارهم
بغير حق إلا أن يقولوا
ربنا الله ولو لا دفع الله
الناس بعضهم بعضاً
لهدمت صوامع وبيع
وصلوات ومساجد
يذكروا فيها اسم الله كثيراً
ولينصرت الله من
ينصره إن الله لقوي
عزيز“

”انکو ابھی ان کا دوزخ سے ٹپکنے کی اجازت ہے اور
کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور کچھ شک و شبہ نہیں کہ
اللہ ان کے مدد کرنے پر قادر ہے۔ (یہ وہ مظلوم
لوگ ہیں) جو بیچارے صرف اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا
پروردگار اللہ ہے ناحق (ناروا) اپنے گمروں سے
نکال دئے گئے اور اگر اللہ کو نیکو ایک دوسرے (کو ہاتھ)
سے نہ ہٹواتا رہتا تو (نصاری کے) صومعہ اور گرجے
اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کے)
مسجدیں جنہیں کثرت سے خدا کا نام پیا جاتا ہے کبھی کے
ڈبا۔ بے جا چمکے ہوتے، اور جو اللہ کی مدد کرے گا
اللہ (بھی) ضرور اُسکی مدد کرے گا۔ کچھ شک
و شبہ نہیں کہ اللہ زبردست (اور سب پر)
غالب ہے۔

اور یہی بطور تواتر کے ثابت ہو چکا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ
کی قلیل جماعت قبائل عرب کی زبردست اور شہداء لشکروں کا مقابلہ نہایت اطمینان اور
کلی یقین کے ساتھ کرتے تھے کہ خدا کا وعدہ بالضرور پورا ہو گا اور وہ یقیناً ہماری مدد کرے گا
”وعد الله الذين
”تم میں جو لوگ ایمان لائے اور

امنوا منكم وعلوا کلمات
لیستخلفنهم فی الارض
كما استخلف الذین من
قبلهم

” ولفقد کذبت رسل
من قبلک فصدروا
علی ما کذبوا واذوا حقاً
اتاهم نصرنا۔ ولا
مبدل کلماتنا والله وفقد
جاءت من نباء المرسلین
” وکان حقاً علینا

نصر المومنین
” کتب الله (اعلیٰ)
انا ورسلی ان الله
قوی عزیز۔“

اور نیک عمل ہی کرتے ہیں اُنسے خدا کا وعدہ ہے کہ ایک
نہ ایک دن اُنکو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت
کر گیا جیسے اُن لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو اُن سے پہلے
گذرے ہیں۔“

” اور تم سے پہلے ہی رسول جہٹلائے جا چکے ہیں تو
اُنوں نے لوگوں کے جہٹلانے پر اور اُنکے ایذا دینے پر صبر کیا
یہاں تک کہ ہماری مدد اُنکے پاس آپہنچی اور کوئی (سیکڑے
سیکڑے) ہی خدا کی باتوں کا بدلے والا نہیں
اور پیغمبروں کے حالات تو ہم کو پہنچ
ہی چکے ہیں۔“

” اور ایمان والوں کو مدد دینا ہم پر لازم تھا
(اور پہنچے دی)۔“

” خدا تو لکھ چکا ہے کہ ہم اور ہمارے پیغمبر ضرور
(کافروں پر) غالب اگر رہیں گے بیشک اللہ زور آور
(اور) زبردست ہے۔“

غرض کہ مسلمانوں کی قلیل اور بے سرو سامان جماعت اور قبائل عرب کے
درمیان جنگ کا سلسلہ ایک عرصہ دراز تک جاری رہا جس میں خدا نے اپنے بندوں
کے صبر و استقلال اور اطاعت اور فراہم داری کا امتحان کیا حتیٰ کہ جب انکا دل در
ایمان ہر قسم کے شائبہ سے پاک صاف ہو گیا تو خدا نے ان کو زمین خلافت اور

حکومت عطا فرمائی اور انکو غالب اور انکے دشمنوں کو مغلوب کیا۔ اور ان کو اپنے دشمنوں کے ہتھیال کرنے کی پوری قدرت حاصل ہو گئی۔ لیکن یہ کس طرح خیال کیا جاسکتا ہے کہ مذہب اسلام سے ایسا ظہورِ ملامتی اور اسن و امان کا نہ ہو ہے۔ بلکہ خدا نے انکے ساتھ ہدائی اور انصاف کر نیکا حکم دیا جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے

” (اینها) لعلہ اللہ عن
الذین لم یقتلوا
فی الدین ولم یجرحوا
من دیارہم ان
تبرہم و قسطوا الیہم
ان اللہ یحب المقسطین“

” جو لوگ تم سے دین کے بارہ میں نہیں
رہے اور انہوں نے تمکو تمہارے گمروں میں نہیں
ٹکالا انکے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ
کر نیسے تو خدا تمکو منع کرتا نہیں (کیونکہ) اللہ
منصفانہ برتاؤ کر نیوالو کو دوست
رکتا ہے“

جسوقت خدا نے مسلمانوں کو قوت عطا فرمائی اور انکو دشمنوں پر کامیاب کر نیکا ارادہ کیا جنہوں نے ابتدا میں اپنی سخت ظلم و ستم توڑے تھے تو انکو حکم دیا کہ انتقام لینے کی خواہشوں کی پیروی مت کرو تاکہ تم حکمت اور عدالت کی حدود سے خارج نہ ہو جاؤ اور انکو کہلایا کہ اگر ایسا ہوگا تو یہ تمہاری طرف سے ظلم و تعدی ہوگی۔ خدا نے فرمایا۔

” ولا یجبر منکم شیئاً
فما ان صد و کھن
المسجد الحرام ان
تعدو و تعادوا علی البر
و التقوی و لا تعادوا

” اور بعض لوگوں نے جو تمکو حرمت (وغرت) والے
مسجد یعنی خانہ کعبہ میں جانے سے روکا تھا یہ عداوت
تمکو (اور نیز کسی طرح کی) زیادتی کرنے کے باعث نہ
اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں میں)
ایک دوسرے کے مددگار ہو جایا کرو۔

علم الاثم والعدوان اور گناہ اور زیادتی (کے کاموں) میں ایک دوسرے
 والتقوا الله ان الله شدید العقاب ” کے مددگار نہ بنو اور اللہ (کے غضب) سے
 ” وقاتلوا فی سبیل اللہ ” ڈرو (کیونکہ) اللہ کا عذاب (بہت ہی) سخت ہے،
 یہ احکام صرف مغلوب اور مقہور لوگوں ہی کے واسطے نہیں ہیں بلکہ اعتدال اور
 فیاضی اور رحم کے اصول اثنائے جنگ میں بھی واجب ہیں خدا نے فرمایا ہے۔
 ” وقاتلوا فی سبیل اللہ ” اور جو لوگ تم سے لڑیں تم ہی اللہ کے رستے
 الذین یقاتلونکم ولا (یعنی دین کی حمایت) میں اُسے لڑو اور زیادتی
 تقتدوا ان الله لا نہ کرنا (اللہ کسی طرح) زیادتی کر مینا لوں کو
 یحب المعتدین ”۔ پس نہ نہیں کرتا۔

اپنے دشمنوں کو برا کہنا اور اپنی لعنت کرنا یہ بھی مسلمانوں کے نزدیک تعدی میں
 داخل ہے۔ جب شیرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ کو قتل کر کے انکا مشہ
 کیا اور انکا جگر نکال لیا تو اس حادثہ سے آپ کو نہایت رنج اور صدمہ ہوا اور آپ نے
 مشرکین کے حق میں بد دعا کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی ” لیس لک من الامر
 شئاً وایتوب علیہم او یعذبہم فانضم ظالمون آپ بد دعا سے
 باز رہے اور فرمایا کہ اگر مجھ کو موقع ملا تو میں انکے چالیس آدمیوں کا مشہ کر دوں گا۔ اس پر
 یہ آیت نازل ہوئی ” فان عاقبتہم فاعقبوا بمثل ما عوقبتہم بہ ولئن صبرتہ
 لہو خیر للصابرین ” پس آپ نے فرمایا ” اصابوا بحسب ”۔

اگر سیران جنگ کے لحاظ سے دیکھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان کی مراعات اور مناسب تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے

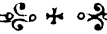
اور انکے ساتھ برائی کرنے کی ممانعت کی ہے۔ آپنے فرمایا ہے ”استوصوا بالاسرار خیرا“ پس آپ کے صحابہ کرام اس حدیث کی پوری تعمیل کرتے تھے اور اسیران جنگ کی استقدمات اور مدارات کرتے تھے کہ اپنی ردئی اُنکو دیتے تھے اور آپ صرف کچھ خود اکتفا کرتے تھے۔

ہمارے گزشتہ بیانات پر غور کرو۔ مگر آسمانی عدالت اور دین وغیرہ قوموں کی وضعی عدالت میں زمین و آسمان کا فرق معلوم ہو گا یہ تو میں نوع انسان کو ہلاک و برباد کرنے میں طاعوں کا حکم کتنی تئیں انہوں نے قتل و خونریزی اور انسان کو سخر کرنے اور غلام بنانے کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ موجودہ زمانہ کی لڑائیوں میں عدالت کے جو آثار دیکھے جاتے ہیں وہ اسلامی عدالت سے قرب حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اسلامی عدالت وہ انتہائی عدالت ہے جس کا نوع انسان کو حاصل ہونا ممکن ہے۔ یورپ کی جو کمیونیاں جنگ و نیل سے موقوف کرنے اور صلح و امن قائم کرنے میں کوشش کر رہی ہیں ان کو اپنا کام کرنے دو۔ کیونکہ اسلام ایسے کاموں کی ترغیب دیتا ہے اور جب یہ کمیونیاں بادشاہوں اور شہنشاہوں کی مدد سے اپنے مقاصد میں کامیاب اور اخلاص اور صدق نیت پر اپنے کام کی بنیاد کیسنگی تو ہر ایک مسلمان ان کی امداد کے لئے اپنا ہاتھ بڑائیگا اور خدا کا یہ کلام اُس کی زبان پر ہو گا۔

”وان جنحو للسلم“ اور اے پیغمبر اگر وہ صلح کی طرف جکیں تو تم بھی
فاجنھما و توکل علی اللہ اُسکی طرف جھکو اور اللہ پر برو سہ رکھو وہی سب کی سستنا
انہ هو السميع العليم اور سب کچھ جانتا ہے۔

نظرہ

علی الاسلام دالین



گذشتہ فصلوں میں ہم کیتھرتوضیح اوفصیل کے ساتھ وہ تمام تمدنی اصول بیان کرچکے ہیں جن پر دنیا کے تمام مذہب اور شائستہ ملکوں کی ترقی کی بنیاد رکھی گئی ہے اور محسوس دلائل سے ثابت کرچکے ہیں کہ وہ تمام تمدنی اصول منجملہ اسلامی قواعد کے ہیں حتیٰ کہ دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ انہیں سے اخذ ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ہم مدلل طور پر بیان کرچکے ہیں کہ ان اسلامی قواعد کی نسبت تغیر تبدل کا ہرگز احتمال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ان اصول فطرت اور تو ان جیات انسانی کے مطابق ہیں جنکا ثبوت حتیٰ طور پر ہر چکا اور جن سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ اور نیز ہم کہہ چکے کہ دنیا جتھرترتی کرتی جاتی ہے اور انسانی عقلیں کمالات کی راہ میں جتنے قدم آگے کو بڑھاتی ہیں اسقدر ان کو اسلام ہی قرب حاصل ہوتا جاتا ہے اور عنقریب ایک دن ایسا آئیوا لاسے کہ دنیا کے عقلا بالانفا تسلیم کریں گے کہ مذہب اسلام دنیوی و اخروی سعادت و فلاح کا جامع اور دارین کی رح کا کفیل ہے۔

بیشک اسلام ایک عام ابدالاباد تک باقی رہنے والا مذہب ہے اور وہ الہی قانون ہے جسکو حکماء ہزاروں برس سے تلاش کر رہے ہیں۔ دنیا کے عقلا قدیم زمانے سے ایک ایسے چھ مذہب کی تلاش میں سرگرمی کے ساتھ مصروف ہیں جو انسان کی جسمانی

اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرنا والا ہو اور انکے مطالب میں حکمت اور اعتدال کے ساتھ موافقت پیکر کرنا والا جو جسمانی اور نفسانی خواہشوں اور رغبتوں کو ایک ایسے نقطہ اعتدال پر قائم کرنا والا کہ وہ کسی طرح ایک دوسرے پر غالب نہ ہو سکیں۔ اس امر کی تلاش میں انہوں نے بہت کچھ اہتمام کیا ہے اور ہر جگہ ڈھونڈا ہے۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے اگر ان دونوں کے مطالب میں اعتدال کا لحاظ نہ رکھا جائیگا تو ضرور افراط و تفریط واقع ہوگی اور جب ایسا ہوگا تو زندگی کے کاروبار میں خلل واقع ہونا لازمی ہے اور ایسا شخص اپنے ہی نفع کے لئے ایک آفت اور مصیبت یا شل بے حس و حرکت عضو کے بیکار ہوگا۔ حتی دلائل اور تاریخی حادثات سے ان لوگوں نے دیکھا کہ جو ذہب جسمانی اور روحانی مطالب کو اعتدال کی میزان میں وزن نہیں کر سکتے اور جسمانی اور روحانی ضرورتوں کی تحدید کر سکتے ہیں وہ بدقسمتی سے جن قوموں پر مسلط ہوتے ہیں انکو دو بڑی قسموں پر تقسیم کر دیتے ہیں جن میں سالہا سال تک فتنہ و فساد و قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور آخر کار ان دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر غالب ہو جاتا ہے۔ اور اسکو آزادی اور مطلق العنانی حاصل ہو جاتی ہے اور کوئی رک ٹوک کرنے والا اسکے سامنے باقی نہیں رہتا تو وہ جسمانی اور نفسانی مطالب میں افراط اور تفریط کی طرف جھک پڑتا ہے۔ مگر اس حالت پر زیادہ عرصہ نہیں گذر تا کہ انسانی طبیعت اسکو للکاری اور واپس لوٹاتی ہے پس دنیا میں اسکا عدم وجود برابر ہو جاتا ہے جو شخص تو موٹگی تیاج کی ورق گردانی کرے ایسے بیشمار واقعات انکو نظر آئیں گے اور زیادہ بحث و کاوش کی ضرورت واقع نہوگی۔

ہم ان حکماء کے خیالات کے ساتھ سب سے پہلے اتفاق کرتے ہیں بیشک ایک

ایسے عام مذہب کی تلاش نہایت ضروری ہے جو جسمانی اور نفسانی مطالب میں اعتدال کو ساتھ موافقت پیدا کرے اور ایک کی صلاح و فلاح کو دوسرے کی صلاح و فلاح کے ساتھ مربوط کرے اور ایسا ہو۔ ہم گذشتہ فصلوں میں ثابت کر چکے ہیں کہ جس طرح جسم کو بیشتر امراض عارض ہوتے ہیں اسی طرح نفس پر بھی بیشتر نفسانی بیماریاں طاری ہوتی ہیں اور جس طرح کوئی شخص اپنے جسم کو طبعی عوارض اور مہلک امراض سے بغیر قانون صحت جسمانی کے محفوظ نہیں رکھ سکتا اسی طرح نفسانی قانون صحت کے سوا نفس کے مہلک امراض سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ چونکہ یہ دونوں چیزیں انسان میں ایسے طریقے کے ساتھ رکھی گئی ہیں کہ ایک کے مریض ہونیکا دوسرے پر اثر پڑتا ہے اسلئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ جسمانی اور نفسانی حفظ صحت کے دونوں قوانین باہم موافق اور متناسب ہوں تاکہ ایک قانون پر عمل کرنے سے دوسرے قانون کی رو سے مضرت نہ پہنچے۔ یہ بات خصوصاً اس زمانہ میں ایک ایسی ہی بات ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیا کی حالت اس کی صحت اور صداقت پر شاہد ہے۔ اور یہی بات علمائے یورپ کو ایک طبعی مذہب کے ایجاد کرنے میں محرک ہوئی ہے جس کی بنیاد علمی بدیہات اور فلسفی مسائل پر ہو۔ ہم اس جدید مذہب کے بعض اہم اصول اس مقام پر درج کرنا چاہتے ہیں جو ہم نے کتاب (اخلاقی مباحث) تالیف علامہ کارو) سے اخذ کئے ہیں۔ اُس نے لکھا ہے کہ ”طبعی مذہب کے قواعد یہ ہیں۔ ایک ایسے خدا کے وجود کا اعتقاد رکھنا جو مختار ہے اور جسے کائنات کو پیدا کیا ہے اور انکا خیال رکھتا ہے اور جو تمام مخلوقات اور نوع انسان سے بالکل ممتاز ہے۔ اور انسان کے جسم میں ایک ایسی روح کا اعتقاد رکھنا جو آدوی اور ذکاوت کے ساتھ متصف ہے اور اس مادی جسم میں کچھ عرصے کے لئے بغرض آرائش مجوس ہو۔

اس روح کی ارادۃ ممکن ہے کہ اس مادی جسم کو پاک صاف کر کے آسمان پر اڑا لیجائے یا زمین مادہ کے ساتھ مانوس ہو کر اُسکو پستی میں گرا دے۔ اور عقل کے احساس سے برتر ہونیکا اعتقاد رکھنا اور اخلاق از ادبی جو تمام دوسری آزادیوں کی اصل اصول ہے اعتدال کے تحت میں رکھنا۔ اور اخلاق حمیدہ کو ان کے حقیقی نام سے یاد کرنا جو امتحان و ابتلا ہے اور ان کی حقیقی غرض کی تحدید کرنا اور وہ یہ ہے کہ نفس کو سمائی علاقے سے بدرجہ خلاصی دیجائے۔ اور زہد و پرہیزگاری کے ساتھ موت کے لئے تیار ہونا اور آخر میں ترقی کو قانون کا اقرار کرنا۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص مذہب اسلام کے ان نصوص پر غور کر لے گا جن کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے اور اس جدید مذہب کے اصول کو ان کے ساتھ مقابلہ کر لے گا اُسکو محقق طور پر معلوم ہو جائیگا کہ اسلام ہی وہ چیز ہے جسکو علماء اور حکماء اپنی علمی بحثوں میں نہایت قدیم زمانہ سے اس وقت تک تلاش کر رہے ہیں۔ اور اُسکو نہایت جرأت اور استعجاب و انگیز ہوگا کہ نوع انسان ان تمدنی مساوات اور شور و شون کے درمیان جب قدر بدرجہ ترقی کی طرف بڑھتی جاتی ہے اسبق در اسلامی قواعد کے قریب ہوتی جاتی ہے حالانکہ اُسکے افراد کو اُس کا مطلق علم نہیں ہے۔ اور اُسکو یقین واثق ہوگا کہ اسلام ہی وہ انتہائی غایت ہے جو خالق نے نوع انسان کے لئے قرار دی ہے اور اُس میں اُس غایت تک پہنچنے کی استعداد اور قابلیت و ودیعت کی ہے جسکے آثار انسان کی تاریخ میں صاف صاف نظر آتے ہیں اور یہ خداوند تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے ”سَنُجِیْهِمْ اٰیَاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِی الْغُضَمِّ حَتّٰی یَتَّبِعِیْنَ لِهٰمَانَ الْخَیْطِ“

اس مقام پر غور و فکر کر نیوالو نکو وہ راز معلوم ہو سکتا ہے جس سے عربی قوم نے بہت حیرت انگیز فوری ترقی کر کے خیرالام کا معزز خطاب حاصل کیا حالانکہ وہ وحشت اور جہالت

میں ضرب لٹل تھی۔

اب ہم مسلمانوں کی موجودہ حالت اور ان تمدنی امراض کی نسبت بحث کرتے ہیں جنہوں نے چند صدیوں سے مسلمانوں کی تو تو کو مضمحل کر رکھا ہے تاکہ ہم کو معلوم ہو جاوے کہ وہ کونسی امراض ہیں اور کیونکر انکا علاج ہو سکتا ہے۔ بیشک اس اہم مسئلہ کی نسبت ہم سے پیشتر بہت سے قابل لوگ بحث کر چکے لیکن ہم نہایت امنوس سے کہتے ہیں کہ ان میں سو اکثر اشخاص نے نفس مرض سے چشم پوشی کی ہے اور اپنی تمار کو کشیش صرف اعراض کے معالج میں صرف کی ہیں۔ یہ ایک ایسی کوشش ہے جس سے کوئی مفید نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مرض اندرونی طور پر اپنا کام کرتا رہیگا اور اپنی طبعی رفتار سے قوم کے جسم میں سرایت کرتا چلا جائیگا۔ اور بیرونی اعراض کا علاج محض بے سود ثابت ہوگا ہم اس مسلک پر چلنا نہیں چاہتے جس سے اس وقت تک کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ ہم اعراض سے قطع نظر کو نفس مرض کو تشخیص کرنا چاہتے ہیں اور جب مرض کی تشخیص ٹیکٹیک ہو گئی تو دوا کا تجویز کرنا نہایت آسان ہو جائیگا۔

ہر شخص کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے تمدن کی بنیاد جزیرہ عرب میں قائم ہوئی اور بہت سے عرصہ میں اس کی شاخیں اکثر مشرقی ممالک میں پھیل گئیں۔ اسکا ابتدائی سبب سوائے مذہب اسلام کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ قویج اور علوم تمدن کا استقرار کر کے ہر شخص اس امر پر استدلال کر سکتا ہے کہ مسلمانوں کا تمدن تمام دنیا کے تمدنوں کی نسبت زیادہ وسیع ہے اور زیادہ شاندار اور عجیب اور قوی اور اپنے پیروں کے ذہن پر سخت اثر ڈالنے والا اور ہر قسم کی تمدنی صلاح و فلاح کا جامع تھا۔

مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ تمام باتیں مجسم بن کر آنکھوں کے سامنے

پہر جاتی ہیں۔ لیکن اگر اس وقت اسلامی قوموں کی موجودہ حالت پر ایک سطحی نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حالت تمام مدارج میں اپنے اسلاف سے بالکل برعکس ہے۔ تزل اور انحطاط کے سبب نہایت سرعت کے ساتھ اپنا کام کر رہے ہیں اور انکو پستی کی طرف لیجا رہے ہیں۔ ان کی اہمیت روز بروز صفحہ ہستی سے شتی جاتی ہے حالانکہ وہ تمام مختلف عناصر جن سے ہماری قوم مرکب ہے اس وقت تک بدستور سلام کے مدعی ہیں اور مثل اپنی جان کے اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔ تو کیا اسکا باعث یہ ہے جیسا کہ زمانہ حال کے بعض علمائے مغرب کہتے ہیں کہ عموماً تمام مذہب کی یہی حالت ہے کہ وہ انسان کو ترقی سے روکنے والے اور انسانی کمالات سے باز رکھنے والے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ عربوں کی وحشت اور جہالت پر ایک سرسری نظر ڈالنے اور اسکے بعد انکی سرریح السیر ترقی پر جس کی نظیر دنیا کی تیاج میں نہیں مل سکتی غور کرنے سے اس قول کی تکذیب خود بخود ہو جاتی ہے۔ پس اگر یہ بات نہیں ہے تو کیا ہماری موجودہ حالت ان لوگوں کے قول کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ جو قاعدہ کسی زمانہ میں کسی قوم کو مذہب اور شائستہ بنانے والا اور اُس کی حالت کو ترقی دینے والا ہو وہ بالضرور ایسے عناصر پر مشتمل ہوتا ہے جو آئندہ زمانہ میں ترقی کے مانع اور اُس کی ضرورتوں کے سانی ہوتے ہیں؟ ہمارے نزدیک یہ قول بھی ہرگز صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اپنی اس کتاب میں سلام کے اہم اصول کی نسبت نہایت تحقیق اور تدقیق کے ساتھ غور کر چکے ہیں۔ ہم نے انکو انسانی زندگی کے قوانین کے بالکل مطابق پایا ہے اور ہم نے براہین مشاہدہ کیلئے یہ کہ سلام نے انسانی ترقی کے لئے کوئی حد نہیں قرار دی بلکہ اُسے بالکل عام قواعد بنائے ہیں اور ان تمام قیود کو توڑ ڈالا ہے جو قدیم زمانہ کے مفسدوں نے آئندہ زندگی کے اصول سے ناواقفیت کے باعث لگا رکھی تھیں۔

اور انسانی نفس کو ان تمام زنجیروں سے نکال کر جن میں وہ جکڑا ہوا تھا حکمت اور اعتدال کے ساتھ اُسکو آزاد و نجی - ہم کسی ایسے زمانہ کا انتظار نہیں کر سکتے جس میں اعتدال کو مذموم اور افراط اور تفریط کو محمود سمجھا جائیگا۔ پس جبکہ یہی نہیں ہے تو پر مسلمانوں کے تنزل کا کیا باعث ہے ؟ ہمارے نزدیک اسکا اصلی سبب صرف یہی ہے کہ ہم نے مذہب کے معنی غلط سمجھے ہیں اور ہمارے دوسرے معنوں پر محمول کیا ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ہم گزشتہ فصلوں میں قرآن مجید کی آیات اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صدر اسلام کے حالات سے استدلال کر کے ثابت کر چکے ہیں کہ اسلام کی سب سے پہلی عرض یہ ہے کہ وہ دنیا کی ترقی کے عام اصول کے مطابق جو انسانی حالات کے تقارر سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو مادی اور ادبی ترقی دیتا ہے۔ اور انسانی نفوس کو پاک کر نیوالی چیزوں میں سے کوئی ادنیٰ چیز بھی ایسی نہیں چھوڑی جس کی طرف اُسے اشارہ کیا ہو۔ ان تمام امور کی نسبت ہم تفصیل بحث کر چکے ہیں کسی قسم کے شکوک اور شبہات کی مطلق گنجائش باقی نہیں۔ لیکن اگر اسلامی قوم نظر ڈالی جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ جمہور افراد اسلام کے صرف یہی معنی سمجھتے ہیں کہ وہ محض عبادت کے قواعد و چند ادعیہ و اذکار کا مجموعہ ہے جنکو دنیوی قضا و حاجات اور اخروی حصول درجات کے لئے پڑا جاتا ہے۔ کلمہ شہادت ، نماز روزہ اور حج زکوٰۃ پرانے نزدیک اسلام ختم ہو جاتا ہے۔ مگر اسلام کی حقیقتیں حقیقتیں اور اُسکے عظیم الشان فضائل جو درحقیقت اُسکے معجزات ہیں اور جنہوں نے نبی و پیغمبر کو گوشہ خنول اور گنگامی سے نکال کر شہرت اور نام آوری کے اعلیٰ درجہ پر پہنچایا اُن سے وہ لوگ بالکل غافل اور بے بہرہ ہیں حالانکہ یہی چیز اسلام کی روح و رداں اور صرف یہی خاص اُسکے نازل کرنے سے ہے۔

اسلام نفسانی اور جسمانی مطالب میں موافقت پیدا کرتا ہے تاکہ اُسکے پیرو انسان کامل بن سکیں جنکے طبعی مطالب نقطہ اعتدال پر قائم ہوں اور انکی رغبتوں میں موافقت ہو۔ خدا فرماتا ہے ”وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم قالوا خیراً للذین احسنوا فی هذه الدنیا حسنة و لدار الاخرة خیر و لنعم دار المتقین“ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”تم میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنی آخرت کی وجہ سے دنیا کو چھوڑے اور دنیا کی وجہ سے آخرت کو چھوڑے بلکہ اسکو بھی لے اور اسکو بھی“ لیکن ہماری قوم کے ایک بڑے گروہ نے اس حکمت بالغہ پر غور کرنے سے اعراض کیا ہے۔ مذہب کے سمجھنے میں اُس نے گذشتہ قوموں کی پیروی کی ہے اور خیال کیا ہے کہ وہ محض عبادت اور عادت کی پیروی ہے۔ اس بارہ میں انکے ایسے خیالات ہیں جن کی خدا نے کوئی سند نہیں بیان کی خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ”ولا تلتس نصیبات من الدنیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”ان من قفہ الرجل استصلاہم معیشتہ و لیس من حب الدنیا طلب ما یصلحک“ مگر لوگ اسلام کے ان اصلی قواعد کو بھول گئے اور اپنی طرف سے یہ خیال خام بچتہ کر لیا کہ تمام دنیوی تعلقات سے آزاد ہونے اور تمام جسمانی خواہشوں کو ترک کر دینے کا نام مذہب ہے۔ اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر انکو یہ بات معلوم نہیں کہ یہی وہ ہلک طاعون ہے جو گذشتہ قوموں کو برباد اور قایم زمانہ کے مذہبی قوتوں کا استیصال کر چکی ہے۔ اور یہ باتیں انکو کینہ کر معلوم ہو سکتی ہیں جبکہ وہ اپنے زادیہ خول سے باہر نکلنا گناہ سمجھتے ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت سے غافل ہیں۔

” اقلعہم سیر وافی الارض ” یہ لوگ ملک میں چلے پرے نہیں (چلتے)
فتکون طمہ قلوب پرتے، تو انکے ایسے دل ہوتے کہ

یقولون بھاوا واذان
 یسمعون بھاوا فافلا
 تقی الاجمار ولکن
 تقی القلوب التی فی
 الصدور -

اُنکے ذریعہ سے (انجام کار کو) سمجھتے
 اور (ان کے) ایسے کان (ہوتے) کہ اُنکے
 ذریعہ سے (نصیحت کی بات) سنتے بات یہ ہے
 کہ کچھ اُنکس اندہی نہیں ہوا کرتی بلکہ دل جو بینوں
 میں ہیں وہ اندہ ہے ہو جا یا کرتے ہیں۔“

ذہب کے معنوں میں غلط فہمی کا نتیجہ ہوا کہ تقوٰے کے معنی اُس اعتبار سے
 جو رسول خدا صلعم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں سمجھے جاتے تھے بالکل بدل گئے۔ اُجکل
 کی اصطلاح کے مطابق تقی سے مراد وہ شخص ہے جو محنت اور کوشش اور تمام ذنیوں کا باوجود
 کو ترک کر کے آرام کے ساتھ گوشہ خلوت و گنہامی میں بیٹھ گیا ہو، دنیا کی کوئی امید اُس کے
 دل میں باقی نہ رہی ہو گذشتہ اور موجودہ زمانہ کے حالات محض جاہل اور بالکل نادانانہ ہو،
 اور جو ہر وقت گردن ڈھلکاے ہوئے بیٹھا رہتا ہو، اگر کوئی کام اُسکے سپرد کیا جاوے تو
 اُسکو خراب کر دے۔ اکثر مسلمانوں کے نزدیک ایک تقی آدمی کی اہم صفات یہ ہیں۔ اور یہ
 صفات جیسا کہ غور کرنیوالوں کو معلوم ہے ہمارے سلف صالحین کی صفات اور حالات
 سے قطعاً مغایر اور بچھا مستقیم منافی ہیں۔ تاریخ سے بطور توازن کے ثابت ہو چکا ہے اور
 ہر شخص کو معلوم ہے کہ رسول خدا صلعم اور آپ کے صحابہ کرام جو اتفاقاً اور پرہیزگاری اور
 دینی کمال کے نمونے تھے نہایت الو العزم، باہمت، محنت اور کوشش کرنے والے
 قوم کی عزت اور عظمت کی بنیاد ڈالنے والے، اُسکو نعت اور برتری کے آسمان پر پہنچانے
 والے تھے۔ اُنہوں نے حق کی تائید اور باطل اور گمراہی کی بیخ کنی میں جس قدر سر توڑ کوشش
 کی ہیں اُنکے حالات توازن و سیر کی کتابوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ اصلی تقویٰ ہی

جسکو اسلام نے پیرو دینے کے لئے مقرر کیا ہے۔ لیکن اگر جھکل کے اتقا کو اسلامی اتقا کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ وہ سراسر فسق و فجور اور قطعی حرام ہے۔ اتقا کے معنوں میں غلط فہمی سے (جس میں ہم بوجہ اسلام کی حقیقت سے ناواقف ہونے کے مبتلا ہو گئے ہیں) ہم مسلمانوں کو دو قسموں میں منقسم کرتے ہیں۔ ایک قسم کا نام ہم نے اہل اختیار کہا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو قوم اور ملک کو اپنی دستکاریوں یا علمی بحثوں سے فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اور دوسری قسم کا نام ہم نے اہل آخرت رکھا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا اور اُس کے کاروبار کو ترک کر کے نماز روزہ نوافل اور چلوں اور غرسوں میں اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ چند صدیوں سے اس دہشتی قسم کی بیخ و بنیاد تمام دنیا سے اسلام میں منتقل ہو گئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ اہل دنیا شمار کئے جاتے ہیں انہوں نے اپنے لئے صرف ان علوم و فنون کے حاصل کر نہیں وقف کر رکھا ہے جن پر مادی سعادت و فلاح کا انحصار ہے اور اہل آخرت صرف علوم عبادت و طہارت میں مصروف ہیں۔ پس پہلا گروہ مذہبی اعتبار سے جاہل محض ہے جسکو مذہب کی نسبت طرح طرح کے شکوک اور شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اور دوسرا گروہ دنیوی معاملات سے استفادے پر مبنی ہے کہ اسکو دس اہل کسب معیشت سے جاہل و اقصیت نہیں ہے اور اس لئے وہ سخت افلاس اور تنگ دستی اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو کر دست سوال و راز کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے اگرچہ کسی خوب صورتی کے ساتھ ہو دین و دنیا کی تفریق تمام وجوہ سے اسلامی اصول کے بالکل منافی اور اُس کے احکام کے برخلاف بلکہ اُن میں سے اکثر کو معطل کر دینا الی ہے۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مذہب اسلام ایسا عام مذہب ہے جو جسمانی اور نفسانی

مطالب میں ایسی موافقت پیدا کرتا ہے جو ان لوگوں کے لئے نہایت ضروری اور لابدی ہے جو حکمت اور اعتدال کے مرکز پر ثابت قدم رہنا چاہتے ہیں۔ ہم قطعی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ دنیا و مافیہا کو ترک کر کے عبادت میں منہمک ہو جانا اسلام نے جائز نہیں رکھا ہے۔ (من قبل فلیس منھا) اور دنیا و آخرت دونوں کی صلاح و فلاح کا خواستگار ہے۔

”ربنا آتانی الدنیا حسنۃً و فی الآخرۃ حسنۃً“
 ”وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کمَا استخلف الذین من قبلہم۔“

”اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں خیر و برکت دے اور آخرت میں خیر و برکت دے“ ”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل ہی کرتے ہیں انہیں (یعنی سلطنت) ضرور عنایت کر دیا جائیگا جیسے ان لوگوں کو خلافت عنایت کی جو ان سے پہلے گزرے ہیں“

اور ہم دلائل طور پر ثابت کر چکے ہیں کہ وہ جنت اور کوشش اور کام کر نیکی ترغیب دیتا ہے اور کالی اور سستی سے باز رکھتا ہے۔ اُس کی یہ ترغیب و ترہیب ایسی عبارات ہیں کی گئی ہیں جو زمانہ حال کے اقوال سے زیادہ تر موثر ہیں۔ اور یہ کہ اسلام کے نزدیک تمام کاموں کا انحصار کزنیوے کی نیت پر ہے۔ اگر کوئی شخص تمام محرمات کو ترک کر دے مگر کسی اور غرض پر کہ لوگ کونیک آدمی سمجھیں اسلام میں ایسا آدمی منافق شمار کیا جاتا ہے اور گناہگار ہو گا لیکن اگر کسی شخص کی نیت درست ہو اور اُس سے غلطی ہو جائے تاہم اُس کو ثواب ملیگا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”تمام اعمال نیت پر منحصر ہیں“ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص تمام دنیا اور اُس کی تمام دولت جمع کر لے مگر اُس کو صرف خدا کی رضا

مقصود ہو تو وہ زاہد ہے لیکن جو شخص دنیا و مافیہا کو ترک کر دے مگر خدا کی رضا مندی مقصود نہ ہو تو ایسا شخص زاہد نہیں ہے۔

یہ تمام باتیں ہم گذشتہ فصلوں میں بیان کر چکے ہیں اور انکو ایسی قطعی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں جنہیں کسی قسم کا کوئی نقص وارد نہیں ہو سکتا اور ہم اپنے ناظرین کے افکار کو اسلام کے ابتدائی گروہ کے حالات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس گروہ کے افراد دو قسموں پر منقسم نہیں تو بعض دینی اور دنیوی۔ بلکہ جیسا کہ تواریخ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس گروہ کے تمام افراد دینی اور دنیوی کا روبرو ایک ہی ساتھ انجام دیتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تجارت کرتے تھے اور یہ پیشہ انہوں نے اس وقت ترک کیا تھا جبکہ اورنگ خلافت پر جلوس فرمایا تھا امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بری اور بحری تجارت کرتے تھے اور اپنے باخوں میں کاروبار انجام دیتے تھے۔ ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کا ایک دوست مسجد میں اُسنے ملا۔ آپ نے اُس سے کہا کہ ”اگر میں تجھ کو تلاش معاش میں بیہوش تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تجھ کو مسجد کے گوشہ میں بیٹھا ہوا دیکھوں۔“ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھ کو اس مقام سے جہاں میں اپنے اہل دیار کیلئے خرید و فروخت کرتا ہوں کوئی مقام زیادہ محبوب نہیں۔“ اس کی یہ وجہ ہے کہ رسول خدا صلعم جس طرح ان کو اخروی کاموں میں ترغیب دیتے تو اس طرح دنیوی کاروبار کی ترغیب دیتے تھے پانسون والے تھے۔ دنیوی کاروبار اس طرح کر دو گویا کہ تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور اخروی کام اس طرح کر دو گویا تم کل ہی مر جاؤ گے، ”گنتی کرو کیونکہ اس میں بڑی برکت ہے“، ”زمین کے اندر سے رزق تلاش کرو“،

لے

لے اس حدیث ابو داؤد نے اپنی اسرائیل علی بن اوسین سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے اسکو بطورانی روایت کیا ہے۔

در رزق کا $\frac{9}{10}$ حصہ تجارت میں ہے، دو عبادت کے دس حصے ہیں جن میں نو حصے طلب حلال ہے، دو جبکہ قیامت قائم ہو جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کوئی پودا ہو تو اسکو بوندینا چاہئے۔

غرضکہ مذہب اسلام کے نصوص اور عہد نبوت کے مسلمانوں کے حالات یہی ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ ان دونوں سے دنیا و آخرت کی تفریق معلوم نہیں ہوتی۔ اور یہی نصوص ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے آپ کو دینی اور دنیوی گروہوں میں منقسم ہو نیسے محفوظ رکھا۔ اس تفریق سے قوم کے خیالات میں تحالف اور اغراض میں تناقض پیدا ہوتا ہی جس سوا فرقہ میں باہمی بغض و حسد، نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے اور محبت اور اہل سنت کے روابط کو مستحکم کر نیو اسے وسائل محض بیکار اور بے اثر ہو جاتے ہیں۔ اور ایک مصر گذرنے کے بعد یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ ان دونوں قسموں میں سخت تلاطم پیدا ہوتا ہے اور تمام افراد قوم کے خیالات بالکل پر اگندہ اور منتشر ہو جاتے ہیں اور قوم کا شیرازہ جمعیت جو افراد کو باہم مربوط کرتا ہے ٹوٹ جاتا ہے۔ اسکے بعد انکو اپنی آئینوالی تباہی اور بربادی کا احساس شروع ہوتا ہے۔ اسوقت یہ دونوں گروہ ایک دوسرے پر الزام لگاتے اور ملتا کرتے ہیں اہل آخرت کہتے ہیں کہ یہ تباہی اور بربادی اہل دنیا کی بدکاری اور ناہنجاری سے قوم پھاری ہوئی ہے اور دنیا دار کہتے ہیں کہ اہل آخرت نے اپنا فرض منصبی ادا نہیں کیا اور قوم کے ارشاد ملقین میں کوتاہی کی جس سے قوم کو یہ روز بد و کینا نصیب ہوا۔ اسی طرح

۱۷ ص۔ عن ابی نعیم بن عبد الرحمن قال سیوطی ہذا حدیث حسن۔

۱۷

۱۷ ادب المفرد امام بخاری

یہ دونوں گروہ باہم لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے رہتے ہیں مگر اندرونی
مرض قوم کے جسم میں اپنا کام کرتا رہتا اور بڑھتا چلا جاتا ہے اور آخر کار قوم کو تباہ و برباد کر دیتا اور
صفوحہ ہستی سے اسکا نام و نشان مٹا دیتا ہے۔

بعینہ یہی حالت اسوقت ہماری قوم کی ہے۔ کیونکہ اُسپر ایسے حادثات طاری ہو رہے
ہیں جن سے اسکا شیرازہ وحدت بکھر گیا ہے اور مثل گذشتہ قوموں کے دینی اور دنیوی گردہوں میں
تفریق پیدا ہو گئی ہے اور اسوقت یہ دونوں فریق باہم لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے
پر الزام لگاتے ہیں۔ شاید موجدہ نسل کو قومی غفلت کو از سر نو تازہ کرنے کی غرض سے
اسلامی فضائل کی ضرورت کا سب سے زیادہ احساس ہوا ہے۔ یہ لوگ علماء و سچت
الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے موجودہ ضرورتوں کے مطابق قوم کی رہنمائی میں کوتاہی
کی ہے بیشک اسوقت اسلامی کمالات کے معلوم کرنے کی طرف عام طور پر رغبت دیکھی
جاتی ہے تاکہ موجودہ اخلاقی فساد دور ہو جو تمام قوم کو محیط ہے اور جس نے جدید نسل سے
شریفانہ احساس مفقود کر کے بدکاریوں اور ناہنجاریوں میں اسکو مبتلا کر دیا ہے۔ بیشک ہر
سانے ایسے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہو رہے ہیں مگر ہم اپنے ناظرین سے صرف اسقدر کہنے
کی اجازت چاہتے ہیں کہ اس نعمت کی اسوقت تک تمام ضروری شرائط پوری نہیں
ہوئی ہیں۔ گویا کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آسان سے ان اسلامی فضائل کی بارش برس جادو
اور ادنیٰ و اعلیٰ تمام مسلمانوں کو بخال اور مال مال کر دے اور وہ اپنے بچوں کو نپیر آرام سے
بیٹھے رہیں۔ اور جن وسائل سے ایسی باتیں ممکن الحصول ہیں اُنکے قریب ہی نہ جائیں۔ یا
یہ چاہتے ہیں کہ یہ فضائل صرف ایسے لوگوں کے ذریعہ سے معلوم ہوں جو ایک خاص شکل
کا لباس پہنتے اور خاص خاص کتابیں پڑھتے ہیں۔

یہ خیالات ہر گز صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ ایسا خیال کرنا عقل کی حق تلفی ہے اگر ہم ایسا خیال کریں تو ہم مثل اُن کاہلوں اور اہد یونکے ہونگے جو چاہتے ہیں کہ تمام ضروری چیزیں انکو گھسیٹے لجا یا کریں۔ اسلامی فضائل جبکو تنگی بد و بہت تھوڑے عرصہ میں سمجھ لیتے تھے ایک مہذب تو ہم کی نسل کو انکا سمجھنا ہرگز دشوار نہیں ہو سکتا۔

اسلامی اصول کو انسانی عقول میں راسخ کرنے کے لئے مباحثہ اور مجادلہ یا تمہیدی تقدّمات کی مطلق ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ نہایت صاف اور واضح اور بالکل سیدھے سادے ہیں اور انسانی نفس کو اپنا ایسا سکون اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے جس کی کسی طرح تعبیر نہیں ہو سکتی۔ پس اگر کوئی شخص حقائق کائنات کا عالم ہے اور وہ اس اطمینان کے راز کی تعبیر کرنا چاہتا ہے جو اسکے دل کو حاصل ہوا ہے تو اسکو آفرینش کے اسرار اور انسانی زندگی کی تکالیف اور دنیا کے قوانین فطرت اور نیز اُس غرض و غایت پر غور کرنا چاہئے جسکے لئے اُن بے اختیاری طور پر کوشش کر رہا ہے۔ تاکہ اسکو عیانی طور پر معلوم ہو جائے کہ اسلامی اصول باوجود سہل اور صاف اور روشن ہونے کے اُن کو مادی اور روحانی سعادت اور نبوی و اخروی راحت تک پہنچانے کا کیلا ذریعہ ہے۔ اور یہی وہ شاہراہ ہے جسکو اُن بمقتضائے اپنی فطرت تلاش کر رہا ہے اور جسکو اس زمانہ کے علماء دور سے دیکھ رہے ہیں اور اُسکے قریب پہنچنے میں جو مشکلات سد راہ ہیں انکو دور کر رہے ہیں۔

اگر سہولت اور استحکام کے لحاظ سے اسلامی اصول کی یہی حالت ہے تو ہم کیوں اُنکے معذور ہو جانے پر گریہ و زاری کرتے اور اپنے علماء اور اہد یونکی شکایت کرتے ہیں کہ وہ اُنکے ظاہر کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ وہ اصول قرآن مجید اور احادیث شریف

اور سلف صالحین کی کتابوں میں نہایت صاف اور صحیح عبارتوں میں بیان کئے گئے ہیں؟ کیا مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا نے قرآن مجید صرف اسلئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کا ایک خاص گروہ اُسکو سمجھے۔ یا بے سمجھے بوجھے وہ قبروں پر پڑ جائے۔ یا خوشی کو موقع پر بھور راگ کے گایا جائے؟ یا یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں صرف قضاے حاجات اور حصول برکات کے لئے پڑھی جائیں؟ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اور اس قسم کی تمام باتیں اسلام کے بالکل منافی اور خدا کی ناراضی کا باعث ہیں۔

قرآن مجید جو مجموعہ مواظظ و حکم ہے اور احادیث شریفہ جو قوانین شائستگی کا خلاصہ ہے ان کی تدوین اور اشاعت قوم میں صرف اس غرض سے ہوئی ہے کہ لوگ ان حکمتوں وغیرہ کریں اور اپنی عمل کریں۔ کیونکہ یہ دینی اور دنیوی سعادت و فلاح کے حاصل کرنیکا ذریعہ ہے مسلمانوں کی تاریخ ہمارے اس قول کی قطعی دلیل ہے۔ ہر کو سلامی کمالات کے ضرورت کا احساس ہوا ہے پس کیا وجہ ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دہری ہوئے ہیں اور بقدر اپنی استطاعت کے کوشش نہیں کرتے۔

کیا ہم مثل اُن احمقوں کے نہیں ہیں جنکے سامنے غذا موجود ہے اور وہ بہوک سے نہایت میقرا ہیں مگر وہ اس امر کا انتظار کر رہے ہیں کہ کمانا خود بخود اُڑ کر اُنکے منہ میں آجائے اور اُنکو ہاتھ بڑھانے کی تکلیف نہ کرنا پڑے؟ کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ ہم اپنے تمام اوقات کو اپیل زو لا اور ریالڈ کے نادلوں میں برباد کرتے ہیں۔ مگر ہم اس عظیم الشان کتاب کے مطالعہ میں پانچ منٹ بھی

۱۷ فرانس کا نہایت مشہور اور نامور ناولسٹ ہے جسے ابھی حال میں انتقال کیا ہے۔

۱۸ انگلستان کا مشہور ناول نگار ہے۔

صرف کرنا گوارا نہیں کرتے جس میں تمام کائنات کے اسرار بیان کئے گئے ہیں۔

ہم تہذیب اور شائستگی اور روشن خیالی کے مدعی ہیں اور دنیا کے عجائبات کا اکتشاف کرنے میں ہم شائستہ لوگوں کی تقلید کرتے ہیں اور ہماری قوم کے جو لوگ چپ چاپ بیٹھے ہیں

اپنی کاپی اور مردہ ولی کا ازام لگاتے ہیں۔ ہم اسپنسر

کی تمدنی تیوریوں اور گیمینا کے سیاسی مسائل کو نہایت تعجب کے

ساتھ دیکھتے اور سر ہلاتے ہیں لیکن ہم اس عظیم الشان کتاب کی طرف نظر نہیں کرتے جس کی

عجیب و غریب حکمتوں کے دریافت کرنے میں اگر علماء اپنی تمام عمریں صرف کر دیں تو انکا عشر عشر

بھی دریافت نہ کر سکیں۔ ہم دوسروں کی تقلید کر کے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں شرم

کرتے ہیں اس خوف سے کہ ہم کو ناقص العقل کہا جائیگا۔ اگر یہ بات ٹھیک ہے تو یہ بالکل

اندھا ہند تقلید ہے اگر ہم اپنی آسمانی کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالتے تو ہم کو اس تقلید

کی ضرورت نہ پڑتی اور ہم کو معلوم ہو جاتا کہ اسلام ایسا مذہب نہیں ہے جو گوشہ نشینی اور

گمنامی یا تعصب مذہبی یا ذلت و خواری یا ناقابل برداشت عبادات اور ریاضات کا کام

دیتا ہو جو موجودہ اور آئندہ تمدن کے منافی ہیں بلکہ وہ ایک ایسا مذہب ہے جو محنت

اور کوشش اور کام کر نیکی کے لئے انسان کو آمادہ کرتا ہے اور علم و ہمتی اور الو العز می کے ساتھ

عزت اور عظمت اور رفعت حاصل کرنیکی ترغیب دیتا ہے اس کی یہ تمام باتیں ایسی حکمتوں پر

شتمل ہیں جنکے مقابلہ میں علماء کی حکمتیں ایسی ہیں جیسے آفتاب کے مقابلہ میں چراغ کی

روشنی۔ پس ایسی حالت میں جو شخص اسلام کی نسبت گفتگو کرے گمراہی کا یہ خیالات کا دہرائے

والا ثابت نہ ہوگا جسکی تکذیب موجودہ زمانہ کے شواہد سے ہو چکی ہے بلکہ وہ ایسی حکمتوں کا بیان

کر نیوالا سمجھا جائیگا جنکے سامنے باطل نہیں ٹھیر سکتا۔ اور ایسے مسائل بیان کرے گا

جن کی تصدیق میں عالم ممکنات زبان حال سے چلا رہا ہے۔ ایسے قواعد ذکر کریں گے جن میں کسی وقت بھی خلل اور فتور نہیں آسکتا۔ ایسے اصول ظاہر کریں گے جن پر ہر قسم کی تہذیب اور شائستگی کا انحصار ہے اور لوگوں کو ایسی روشنی دکھلا دیں گے جو دلوں میں سرایت کر کے ایسا آفتاب روشن کرتی ہے جس کی روشنی کبھی خاموش نہیں ہو سکتی۔ اور نیز انسانی نقوش کو اوہام و خرافات کے شیاطین سے پاک صاف کریں گے اور انکو تسلی اور اطمینان دیں گے اور عالم ملکوت تک پہنچنے کی صلاحیت انہیں پیدا کریں گے۔

اسلام سے پیشتر عربوں کی جہالت اور وحشت کی جو ناگوار حالت تھی اُس پر غور کرو۔ اور اُس کے بعد دیکھو کہ اسلام کے ذریعہ سے کس قدر عظیم الشان اور فوری تغیر انکی حالت میں واقع ہوا۔ زمانہ جاہلیت میں انکی یہ حالت تھی کہ ایک عرب اپنی ٹرکیو خجگ میں بیجا تاتا اور وہ اس کے ساتھ ساتھ چلی جاتی تھی اور اُس کے واسطے گڑا کھوتا تاتا اور وہ اپنے بیرحم باپ کی طرف محبت کی نظر سے دیکھتے جاتے تھے مگر اُس ظالم کو مطلق رحم نہیں آتا تاتا اور اُسکو اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کر کے خوش بخوش اپنے گھر کو واپس چلا آتا تھا گویا کہ ایک ایسا کام کیا ہے جو اُس کی نینکامی کا باعث ہے۔ ان شئی انقلاب عربوں کو دیکھو جن میں رحم کا نام و نشان ہی نہیں اور پھر اسلام متبول کرنے کے بعد انکی حالت پر غور کرو۔ تم کو ایسے لوگ نظر آئیں گے جن کے اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ ان لوگوں سے بدرجہا بہتر ہیں جنہوں نے علم و حکمت کے گہرائی میں پردیش پائی ہے۔ تم کو عظمت اور شہادت فضائل و کمالات کے ایسے نمونے نظر آئیں گے جو اپنے نمونے سے حکماء اخلاق کو انکی تالیفات کے عیوب اور نقائص سے آگاہ کرتے ہیں۔ تم کو ایسے اشخاص نظر آئیں گے جو لمبا ط پرہیزگاری اور وقار کے فرشتوں سے اور لمبا ط ہمت اور آقدار کے کسریٰ و قیصر سے

فائق ہیں۔ عربین اخطاب کی حالت پر غور کرو۔ ان کی زمانہ جاہلیت کی تاریخ غالباً تم کو معلوم ہوگی اسلام قبول کرنے کے بعد چند سال میں ان کی حالت کیسی ہو گئی؟ انکی حکمت اور سیاست اور استقلال کی بدولت اسلام اور مسلمانوں کو ایسی بڑی عزت حاصل ہوئی جو ایسے بڑے شہنشاہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی جس نے شاہی خاندان میں تربیت پائی ہو اور نہ ایسے حکیم سے ممکن ہے جس نے حکمت اور سیاست کی آغوش میں پرورش پائی ہو۔ انکی پرہیزگاری اور تسبیح القلبی اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ بعض اوقات کلام مجید کی ایک سطر سنکر بیہوش ہو جاتے تھے یا بعض اوقات اسکی وجہ سے کئی کئی دن تک بیمار رہتے تھے گویا مبتنی نے یشعر انہیں کی تعریف میں لکھا ہے۔

فَسَا فَالْأَسَدُ تَقْزَعُ مِنْ قَوَّاهِ
وَدَقَّ فَخْخُ تَقْزَعُ الْإِيْذُ دَبَا

یہ باتیں انکو کہاں سے اور کیونکر حاصل ہوئیں؟ کیا انہوں نے علوم اخلاق کی تعلیم کسی یونیورسٹی کالج میں پائی تھی؟ یا تمدنی اور سیاسی علوم علمی جلسوں اور پارلیمنٹ کی سبزینچوں پر سیکھتے تھے؟ یا انہوں نے قوانین کی تعلیم کسی قانونی کالج میں حاصل کی تھی۔؟ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ بلکہ ان کی تعلیم کا ذریعہ صرف ایک ہجر اور وہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید اور احادیث شریف کو غور کے ساتھ پڑھتے تھے اور جن امور کے سمجھنے میں انکو دشواری پیش آتی تھی ان کی نسبت دوسروں سے سوال کرتے تھے۔

ہم نے بطور مثال صرف ایک شخص کو پیش کیا ہے۔ تاکہ تمکو معلوم ہو جائے کہ مذہب اسلام کو طبیعت کے بدلنے، فوری تاثیر ڈالنے اور اپنی پیردہ کے خیالات کو روشن

کرنے میں کیسا زبردست قہر حاصل ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ مہنے ان میں بہا
خزانہ کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور اخلاق و حکمت کے سینے کے لئے ادھر ادھر
مارے مارے پرتے ہیں اور ناکام ہونے کے بعد اسکا الزام ہم دوسرے فریق کے
ذمہ تو پتے ہیں۔

الحاصل مسلمانوں کے موجودہ مرض کی دوا صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام
کے معنوں کو ٹیک ٹیک سمجھیں اور یقین کریں کہ سب سے اول غرض یہ ہے کہ ان
کی مادی اور ادبی دونوں حالتوں کو ترقی دیا جائے کیونکہ ان دونوں میں پورا ارتباط ہے۔ انکو
غور کرنا چاہئے کہ اسلام میں عبادت سے مقصود جسمانی عبادت مثلاً رکوع و سجود ہی نہیں ہے
بلکہ وہ تمام کام جو انسان عبادت سمجھ کر اپنی ذات یا خاندان یا نوع یا تمام کائنات کی بہبود
کے لئے انجام دیتا ہے اشرف و افضل ترین عبادت میں داخل ہیں۔ مسلمانوں کو معلوم
ہونا چاہئے کہ اسلام حسنات اور ایجاد و اختراعات کی ترقی کا مانع نہیں ہے بلکہ ایسی مفید
باتوں کی ترغیب دیتا ہے اور ان سے باز رہنے والوں کو ملامت کرتا ہے۔ یہی اسلامی اصول
ہیں جن کی تائید سیکڑوں آیتوں اور ہزاروں حدیثوں اور زمانہ نبوت کے مسلمانوں
کے حالات سے ہوتی ہے اور ان تمام اصول کو ایک روشن خیال معلم صرف ایک
سبق کے اندر اپنے شاگردوں کے ذہن نشین کر سکتا ہے

یہی وہ دوا ہے جو مسلمانوں کے مرض کے لئے تیرہ ہدف ثابت ہوگی لیکن
اس دوا کے عام مسلمانوں تک پہنچنے میں جو مطالعہ سے محروم ہیں بہت سی
مشکلات حائل ہیں جنکا دفعیہ ایک عرصہ کے بعد ہوگا۔

اس کتاب کے خاتمہ پر ہم خدا کی جناب میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمو صراط مستقیم

کی ہدایت کرے اور اپنے رسول کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہمارا خاتمہ بخیر کرے۔

آمین یا رب العالمین و صلی اللہ علی سیدنا محمد و رسوله
و علی آلہ و معجہ متبعیہ و سلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

ترجمہ تمام شد۔

بقلم خاکسار رشید احمد انصاری۔ مدرسہ العلوم علیگڑھ

بحکم نواب محسن الملک بہادر

۴۔ مئی ۱۹۰۶ء۔



فہرست کتب جو دہ مطبع احمدی علیگڑہ

مطبع احمدی میں مندرجہ ذیل کتابیں زیر غری اور اردو و فارسی ہر قسم کی کتابیں فروخت کیے گئے جو موجود ہیں شاہین پور
قیمت یا بذریعہ دہلی اہل طلبہ کی اس کے علاوہ معروریت کی بھی ہوئی ہر علم و فن کی عربی کتابیں ہماری
معزز طلبہ کی کچھ کتنی ہیں بشرطیکہ نقد قیمت ارسال کیا وے۔ المشہر - سعید احمد ستم مطبع احمدی علیگڑہ

اس کے تمام تعنیفات کی مفصل فہرست لکھی گئی اور یہ کہ دنیا
کے کن کن کتب خانوں میں موجود ہیں۔ یہ کتاب ایک ذمی
علم کے مطالعہ کے قابل ہے۔ قیمت سے
فریستہ الاسد۔ یہ ایک نہایت دلچسپ ناول ہے جو
فرانسیسی زبان عربی میں ترجمہ ہوا ہے اس کے مطالعہ کے
بغارت فرانس کے اہلی واقعات منکشف ہو جاتے
ہیں۔ قیمت عصر

نظم حالی و نظیر قیمت ۲۰
حیات سر سید - مختصر سوانح عمری ایل سید احمد خان مرحوم
بانی مدرسہ العلوم علیگڑہ ۲۰

ارکان اسلام ۱۰
آغاز اسلام - سوانح عمری حضرت رسول اکرم - ۴
کتب - حنفیہ نان بناد رسول العلماء مولوی محمد کار اللہ صاحب
تاریخ مسلمان کامل - حنفیہ مولوی محمد کار اللہ صاحب

جس کے ۵۲۱ صفحے ہیں مسلمانان ہندوستان کی اس سے
زیادہ مفصل اور جامع تاریخ آج تک نہیں لکھی گئی قیمت
اکسیر دولت - تو مو کی دولت کو گنتے رہنے کا اصول
کیسائی دولت - تو مو کی دولت کو گنتے رہنے کا اصول

نثار المسلمین - یہ کتاب قاطرہ خاتم ایک ترکہ قانون کی شخصیت سے اس میں تمام تر رجحان ہند میں مسلمانوں کی حالت
پر بحث ہے شوق پرورہ کثرت از دواعی طرح شادی حقوق بول ہر زمان اسلام کو نہایت خوبی سے پیش کرتا ہے ہر کتاب کی قیمت
تعلیم کو گنتے رہنے کا اصل ہوئے قابل ہے۔ ہندوستان میں جو کہ حجاب کی زیر بحث آئے اس کتاب کی ترجمہ ہندو متعلقہ کی ذریعہ

الاخلاق المحمدیہ - اس کتاب میں تمام اسلامی اخلاق
و ادب طریق و معاشرت و حقوق باہمی کی نسبت جدا جدا
عنوان قائم کر کے قرآن مجید کی آیتیں لکھی گئی ہیں اور
اس کے بعد صحیح حدیثیں مستند کتابوں سے انتخاب کر کے موعظ
فہم تر عربی اردو لکھی گئی ہیں اس کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے
کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے
اور ہر ایک مسلمان کو کس قسم کے اخلاق اور اطوار رکھنے
چاہئیں۔ یہ کتاب حقیقت میں کتب درسیہ میں شامل
ہونیکے قابل ہے اور ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس کو ہمیشہ
زیر مطالعہ رکھے تاکہ اسلامی معاشرت اور اخلاق سے
پوری واقفیت ہو۔ اس کتاب کے چار حصے ہیں دو
حصے طبع ہو گئے ہیں۔ حصہ اول - (۱۰)
حصہ دوم (۱۰)

عربی کتب

ابن رشد و فلسفہ - اس نفیس کتاب میں فیلسوف اسلام
ابو الولید بن رشد کے تاریخی حالات، عیوب و اولاد اور
کی مستند و معتبر تواریخ سے انتخاب کر کے درج کیے گئے ہیں
اور اس کے فلسفہ پر نہایت مختصراً اور بہ طور پوچھ گیا ہے اور

نثار المسلمین - یہ کتاب قاطرہ خاتم ایک ترکہ قانون کی شخصیت سے اس میں تمام تر رجحان ہند میں مسلمانوں کی حالت
پر بحث ہے شوق پرورہ کثرت از دواعی طرح شادی حقوق بول ہر زمان اسلام کو نہایت خوبی سے پیش کرتا ہے ہر کتاب کی قیمت
تعلیم کو گنتے رہنے کا اصل ہوئے قابل ہے۔ ہندوستان میں جو کہ حجاب کی زیر بحث آئے اس کتاب کی ترجمہ ہندو متعلقہ کی ذریعہ

